تاریخ ٹونک

مرتبہ

محمد اعجاز خان

ریٹائیرڈ ہیڈ ماسٹر

مقدمہ

صاحبزادہ شوکت علی خان

ڈائریکٹر

اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان

ٹونک

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

سلسلہ اشاعت ۱۰   سال۔ ۱۹۸۳ء

نام کتاب : تاریخ ٹونک
مصنف : محمد اعجاز خاں
مقدمہ : صاحبزادہ شوکت علی خاں ڈائریکٹر
تعداد اشاعت : 250
قیمت :
مطبع : جمال پرنٹنگ پریس دہلی۔

شائع کردہ
عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان،
ٹونک

انتساب

میں اپنی حقیر تصنیف "تاریخ ٹونک" مجاہد آزادی اور ریاست ٹونک کے بانی، امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ کے نامِ نامی سے معنون کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ جن سے نہ صرف تاریخ ٹونک معنون ہے،

بلکہ

وہ خود تاریخ ھند کے ایک جلی عنوان ہیں۔

محمد اعجاز خاں

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	ہند قبل از نواب محمد امیر خاں	۱
۲	نواب محمد امیر خاں (از ۱۷۶۷ء تا ۱۸۱۷ء)	۶
۳	سپاہیانہ زندگی (از ۱۷۸۸ء تا ۱۸۱۷ء	۹
۴	مالوہ میں ابتدائی کارنامے	۱۲
۵	لچھمن راؤ سے جنگ	۱۵
۶	بالا راؤ سے جنگ	۱۷
۷	جسونت راؤ ہلکر سے رفاقت	۱۹
۸	ہنڈیا شہر پر حملہ	۲۰
۹	قلعہ مہیسر کی فتح - امیر خاں کا ہلکر کو گدی نشین کرنا۔	۲۲
۱۰	امیر خاں کا سرونج پر عاملانہ قبضہ	۲۲
۱۱	میجر بنگ کا مصالحت طلب کرنا	۲۳
۱۲	ہلکر اور نواب کی علیحدگی	۲۶
۱۳	انباجی سے جنگ	۲۷
۱۴	نواب کے بھائی کرم دین خاں کا انتقال	۲۹
۱۵	نواب کی دلیری	۳۱
۱۶	سندھیا سے جنگ اور اجین کی فتح	۳۲
۱۷	پونا کی فتح	۳۷
۱۸	انگریزوں اور نظام کی افواج سے امیر خاں کا مقابلہ	۴۳

۱۹ ہندوستانی لیڈروں کی انگریزوں کے خلاف مصالحت ۴۵
۲۰ راجپوتانہ کی قیادت پر، انگریزوں اور ہلکر کی جنگ ۴۷
۲۱ انگریزوں کی مقبوضات پر یلغار ۴۹
۲۲ سندھیا کا انگریزوں سے ساز ۵۱
۲۳ نواب امیر خاں کا عزم کابل ۵۱
۲۴ ہلکر کا انگریزوں سے ملجانا۔ اور نواب امیر خاں سے بے وفائی ۵۳
۲۵ راجپوتانہ میں نواب امیر خاں کا اقتدار ۵۵
۲۶ ناگپور کی جنگ ۵۶
۲۷ افغانستان میں نواب امیر خاں کے اثرات ۵۷
۲۸ نواب امیر خاں کی آخری مہم ۵۸
۲۹ عہد نامہ ۶۰
۳۰ رئیسانہ زندگی (از ۱۸۱۷ء تا ۱۸۳۴ء) ۶۲
۳۱ نواب محمد امیر خاں کی خصوصیات ۶۴
۳۲ امیر اعظم کا تاریخ ہند میں رتبہ ۶۵
۳۳ نواب امیر خاں کے عہد کے مشاہیر ۶۹
۳۴ وزیر الدولہ امیر الملک نواب محمد وزیر خاں (از ۱۸۳۴ء تا ۱۸۶۵ء) ۷۴
۳۵ نواب وزیر الدولہ پر ایک نظر ۷۸
۳۶ نواب وزیر الدولہ کے عہد کے مشاہیر ۸۰
۳۷ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں صاحب (از ۱۸۶۵ء تا ۱۸۶۷ء) ۸۶
۳۸ یمین الدولہ بہادر کے عہد کے مشاہیر ۸۰

۳۹ امین الدولہ وزیر الملک نواب محمد ابراہیم علی خانصاحب بہادر
(از سنہ ۱۸۶۷ء تا سنہ ۱۹۳۰ء) ۹۳

۴۰ پہلے آئینی دور کے ممبران ۹۳

۴۱ دوسرے آئینی دور کے اراکین ۹۵

۴۲ نواب امین الدولہ بہادر کے دور کے مشاہیر ۱۰۶

۴۳ سعید الدولہ وزیر الملک نواب سعادت علی خاں صاحب
(از سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۴۷ء) ۱۱۴

۴۴ سعید الدولہ بہادر کی دلچسپیاں ۱۲۳

۴۵ سعید الدولہ بہادر کے دور کے مشاہیر ۱۲۸

۴۶ ممتاز الدولہ وزیر الملک نواب محمد فاروق علی خانصاحب
(از سنہ ۱۹۴۷ء تا سنہ ۱۹۴۸ء) ۱۷۳

۴۷ آزادی ہند اور پناہ گزینوں کی آمد ۱۷۵

۴۸ دہلی سے محصورین ٹونک کو بحفاظت لانا ۱۷۶

۴۹ عزیز الدولہ وزیر الملک نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب
(از سنہ ۱۹۴۸ء) ۱۷۹

۵۰ قیام راجستھان کا قیام اور ریاستوں کا الحاق ۱۸۱

۵۱ عزیز الدولہ کے مشاہیر میں ایک نامی شخصیت ۱۸۳

۵۲ کایستوں کی زرّین خدمات ۱۸۹

۵۳ مطبوعات ادارہ ۱۹۰

۷۸۶

مقدمہ

تاریخ ٹونک جتنی دل چسپ ہے۔ اسی قدر پیچیدہ اور نارسا ہے، پیچیدہ اس لئے کہ دل بادل ذخائر، دستاویزات، سندات اور مخطوطات کی شکل میں، علمی، تاریخی ثقافتی اقدار کو چھپائے قعرِ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور نارسا اس لئے کہ کسی مورخ ادیب یا مصنف نے چنداں کوشش و کاوش نہیں کی کہ وہ ایسے تاریخی مواد کو یکجا کر کے نتائج اخذ کرتا۔ اور تاریخ کو تاریخ کی روشنی سے پڑھتا، سمجھتا، اور اہل نظر کے سامنے پیش کرتا۔ یہاں کے والیانِ ریاست نے بھی اس طرف کوشش نہیں کی۔ اور نہ ہی یہاں کے دانشوروں نے اس دل چسپ باب کو کھولا۔

اگر سب سے پہلے اس طرف توجہ کی ہے، تو منشی بسادن لال شاداں نائب میر منشی نواب امیر الدولہ بہادر، جس نے امیر نامہ فارسی میں لکھ کر صرف امیر خاں کے حالات و واقعات و کارناموں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ سوانح ہیں، تاریخ نہیں۔ ایک سورما جیالے فرزندِ نامدار مجاہد آزادی کی داستان ہے۔ کسی قوم خطے، اور علاقے کی تاریخ نہیں۔

اس کے بعد دیوان شمس الدین کی تاریخ "ہفتدہ سالہ امیر ولبست سالہ وزیر"

ٹونک کے دو حکمرانوں کے عہدوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

اسی محامد علیہ از مولانا سید احمد علی سیماب کی فارسی تاریخ تیسرے حکمراں نواب محمد علی خاں بہادر کے مختصر دورِ زرین کی یادگار ہے۔

یہی حال مولانا سیماب صاحب کے خلف اکبر حکیم سید سعید احمد اسعد کا اردو ترجمہ امیرنامے اور پنڈت دیبی پرشاد بشش کی افتخار التواریخ کا حامل ہے۔ جو امیرنامے کے تراجم ہیں جن میں نواب امیر خاں کے مابعد تاریخی واقعات کا جائزہ بھی ہے۔

نواب ابراہیم علی خاں کے اخیر دور میں استاد اصغر علی آبرو نے تاریخ ٹونک ترتیب دی، جو تاریخ تو نہیں کہی جا سکتی لیکن تذکرے کے ذیل میں سعی پیہم اور اولین کوشش ضرور کہی جا سکتی ہے۔ یہ پہلی بار چھپی اور منظر عام پر آئی۔ یہ ضخیم تذکرہ ایک پر مواد تاریخی دستاویز اور اہم مستند مطالعہ ہے۔ جس کی از سر نو ترتیب و تہذیب کرنی چاہیئے۔ اور تاریخی مواد چھان پھٹک کر سامنے لانا چاہیئے۔ یہ اصل اور بنیادی تاریخی دستاویز ہے۔ جس کی روشنی میں اور اول الذکر مخطوطات کی بنیاد پر ٹونک کی تاریخ لکھنی چاہیئے۔ تاکہ جو تاریخی علمی اور ثقافتی مواد جو پردۂ خفاء میں پڑا ہوا ہے وہ اہل نظر کے سامنے آ جائے۔ اور مقامی تواریخ میں اہم الواب کا اضافہ ہو۔

اسی کمی کے احساس اور موجودہ تقاضوں کے پیش نظر ٹونک کے ایک ذی علم و ذی فہم حساس انسان نے ٹونک کی شاندار تاریخ اور روایات و واقعات کو منظر عام پر لانے کی پہلی بار آج کے دور میں کوشش کی ہے۔

جس مجاہد آزادی غیور پٹھان امیر خاں کے بنا کردہ ٹونک کی ۱۳۱ سالہ تاریخ کو ٹھیک ۱۵۱ سال بعد جسنے قلمبند کیا اس غیور پٹھان کا نام نامی محمد اعجاز خاں ہے۔ جس کے اسلاف نواب امیر خاں کے کشور گیر اور ظفر آیات عسکر امیری کے ساتھ جنگ آزادی میں برابر دوش بدوش لڑتے ہوئے ٹونک میں آباد ہو کر اپنی تلوار اور

نیام میں رکھ کر دم لیتے ہیں۔ جب دم لیا تو، انھیں کے اخلاف کے ایک دوسرے مجاہد نے اس دم شمشیر کو اپنے قلم کی جولانی میں صرف کر کے اپنے اسلاف کی نہیں نواب امیر خاں کے اسلاف کی تاریخ لکھ کر ریگستان کے دشت و دمن میں حیران و پریشان ٹھیک اسی طرح گھومتا رہا۔ جیسے سر دفتر تاریخ نواب امیر خاں کوہ و بیابان اور دشت و دمن میں سرگرداں رہا۔

میرے استاذ محترم جناب اعجاز خاں صاحب سوری اس ٹونک کی تاریخی سرمایہ کو ٹونک کے آخری فرماں روا، نواب اسمٰعیل علی خاں صاحب تاج اور دیگر افراد خاندان امیریہ اور دانشوروں کو طباعت کے لئے دیتے رہے۔ لیکن کسی نے اس طرف اعتنا نہیں کی۔ حتیٰ کہ مجھ ہیچمداں کو بھی یہ تاریخی مسودہ میسر آیا۔ میں نے آپ سے اسی تاثر کے پیش نظر، جس تاثر نے آپ کو یہ تاریخ لکھنے پر مجبور کیا، قصر علم عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں دے کر محفوظ کرالیا۔ کہ میں انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اس اہم دستاویز کو طبع کرانے کا اہتمام کروں گا۔

سنہ ۱۹۷۸ء ٹونک کی تاریخ میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ سنہ ۱۸۱۷ء، جب ٹونک کی تاریخ معرض وجود میں آئی تھی۔ اب ایک علمی ریاست وجود میں آئی ہے۔ جب سیاسی تاریخ بنی تھی اب علمی تاریخ بنی ہے۔ جب مقامی تاریخ ایک مشخص اور منتخب خطے کے لئے پیش کی گئی تھی، اب ایک عالم ایک زمانہ کی تاریخ علمی دنیا کو پیش کی گئی ہے، وہ بھی زمانہ تھا یہ بھی زمانہ ہے، وہ مختصر تاریخ تھی، یہ جامع تاریخ ہی نہیں عہد و قرون کی تاریخ دل بادل ذخائر مخطوطات و مسودات میں محفوظ ہے۔ وہ تاریخ سات نوابوں کی کمائی تھی۔ یہ تاریخ ایک نواب لیکن عالم کی میراث اور تاریخ ہے۔ وہ ختم ہو گئی یہ باقی ہے، اس کو زندہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور اس کو زندہ رکھا ہے۔ اور یہ زندگی دے رہی دوسری اقدار کو، دوسری تحریکوں کو، دوسرے تقاضوں کو اور دوسرے اداروں کو۔

اس لئے کہ یہ ادارہ ں کا ادارہ اور قومی سرمایوں کا سرمایہ اور ایک ایسا سدابہار خزینۃ الخزائن ہے جس میں تواریخ بنتی رہیں گی، تحقیقات ہوتی رہیں گی۔ مخطوطات جمع ہوتے رہیں گے۔ تصنیف و تالیف تہذیب و ترتیب، تالیف و تدوین کا سلسلہ چلتا رہیگا۔

اسی ادارے نے جناب ماسٹر محمد اعجاز خاں صاحب کی مرتبہ تاریخ کو بہ نظر احسن دیکھتے ہوئے شائع کر کے ایک اہم فریضہ ادا کیا ہے۔ اس لئے کہ جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر کوئی جدید تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

کے مصداق ہمارے تاریخ کے گلدستہ کو سجا کر پیش کرنے والے مورخ جناب محمد اعجاز خاں صاحب نے پہلی بار پیش کیا۔

ادارہ اس کو منظر عام پر پیش کر کے بجا طور پر فخر محسوس کرتا ہے۔

سنہ ۱۹۷۸ء سے اب تک، سیکڑوں رہ نوردان علم و ادب اور شائقین و محققین مجھ سے ٹونک کی تاریخ دریافت کرتے رہے۔ اور بار بار زور دیتے رہے کہ کم از کم مکمل نہیں تو مختصر ترین تاریخ ٹونک شائع ہونا چاہیئے تاکہ ایک عام انسان کی نظر میں ایک مطالعہ ایک جائزہ اور تاریخی خدوخال سامنے آسکیں۔

اس مقصد کے لئے استاذی جناب محمد اعجاز خاں صاحب سوری کی نوشتہ "تاریخ ٹونک" کافی ووافی ہے۔

یہ ایک طائرانہ مطالعہ ہے، سیر حاصل تحقیقی مقالہ نہیں ایک ابتدا رہے اختتام نہیں ایک قابل قدر سعی بلیغ ہے ایک منصوبہ نہیں۔ اور نہ مآخذ و منابع کا ضخیم ذخیرہ ہے۔ ایک عام فہم زبان میں لکھی ہوئی اصلی، سچی اور سادہ تاریخ ہے۔ جو حقائق و شواہد اور عینی واقعات پر مبنی ایک مربوط و مبسوط تاریخی جائزہ ہے۔

۱۲۱ اسالہ تاریخ ٹونک کو عہد بعہد، نواب امیر خاں سے، آخری تاجدار نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب تاج تک کے واقعات و حالات کا احاطہ کیا گیا ہے جس میں بیشتر واقعات فارسی تاریخی مخطوطات سے لئے گئے ہیں۔ اور بعض واقعات مطبوعہ تواریخ، امیر نامہ از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تذکرہ ٹونک از صاحبزادہ عبدالتواب خاں صاحب، تاریخ ٹونک استاد آبرو سے ماخوذ ہیں۔

نواب سعادت علی خاں صاحب سے نواب اسمٰعیل علی خاں صاحب تک کی تاریخ چشم دید حالات و واقعات پر محتوی ہے۔

ریاست ٹونک کی تاریخ ویسے تو قدیم ترین تاریخ ہے، جو بیراٹ کی تہذیب سے منسلک ہے۔ موجودہ دور کی بناس ندی کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ اس علاقے کی تاریخ ہزاروں ہزار سال پرانی ہے۔ دریائے بناس نہ جانے کب سے اٹھلاتی بل کھاتی طوفان برپا کرتی، طوفانوں کو پناہ دیتی بہتی چلی آرہی ہے۔ اس نے نہ جانے کتنے مظفر و منصور عساکر کو پار اتارا ہے۔ اور کتنے ہی مفتوح لشکروں کو بہایا، ڈبویا، نکالا اور اتارا ہے۔ اور ہر زمانہ میں عہد رفتہ و سطوت پارینہ کی اقدار و افکار کا آئینہ لئے تاریخ کا مرقع بنی ہوئی ہے۔

یہاں مالاواز، پارمار منوجی راجپوت سسودھیا، چوہان اور کچھوا کا تسلط رہا ہے۔ ٹونک اگر ایک طرف مغل سامراج کی شان امارت کا مرکز رہا ہے تو دوسری طرف مرہٹہ اور پٹھانوں کی جولان گاہ اور آماجگاہ بھی رہا ہے۔ یہاں فتح و ظفر مندی کے منصوبے بنے ہیں تحریک آزادی کے قافلے بھی گذرے ہیں۔ تہذیب و تمدن کے گلہائے رنگا رنگ بھی کھلے ہیں۔ اور تاریخ و ثقافت کے آثار و اعلام بھی مختلف تہذیبوں میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔

ایک طرف التمتش، بلبن اور علائی لشکر (علاء الدین خلجی) خسروی شان و

شوکت سے گذرے ہیں، تو دوسری طرف، غزنی، غوری اور عالمگیری و جہانگیری رایات ظفر آیات بھی گذرے ہیں۔ اور جدید دور میں امیری لشکروں نے اس سرزمین کو جہاں استحکام بخشا ہے وہاں تہذیبی اور علمی بوقلمونیوں سے رنگ بھی بھرے ہیں جو کسی تاریخ کی زینت کسی مخطوطے کی صولت و شوکت اور کسی دستاویز کی تحریری گل افشانیوں میں جلوہ گر ہے جس کی کہانی اس ادارے کی زبانی، کبھی پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ جہاں ہزاروں مخطوطات ان گنت پنوں میں تاریخ اور علمی سرمایے کو سمیٹے ہوئے ایک مقام کی تاریخ نہیں ایک عالم کی تاریخ محفوظ کئے ہوئے ہیں۔

اس تاریخ اعجازی میں قدیم تاریخ کے اعلام و آثار سے بحث نہیں کی گئی ہے صرف ٹونک کی ۱۳۱ سالہ ریاستی تاریخ کا ایک مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں حکمرانوں کے عہدوں اور ان کے تاریخی واقعات کو سلسلے وار ترتیب دیا گیا ہے

۱۸۱۷ء میں نواب امیر خاں مجاہد آزادی نے کس طرح ٹونک کی ریاست کو قائم کیا۔ اور کس طرح ان کے جانشین نواب وزیر الدولہ نے ریاست کو جمایا اور بنایا۔ دور وزیری علمی، تعمیری، مذہبی اور ریاست داری کی اعلےٰ ترین اقدار کی یادگار تھا۔ اسی باب میں نواب امیر خاں کے ابتدائی حالات، مجاہدے اور جارحے انگریزوں سے یلغار، مرہٹوں اور سکھوں سے معاہدے پہلی بار ہندو مسلم یکجہتی کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

فاضل مورخ نے بڑے دل نشین انداز میں تاریخی واقعات سہل اسباق کی طرح بیان کئے ہیں۔

اس کے بعد نواب محمد علی خاں کے مختصر دور کا زمانہ آتا ہے جس میں تعمیری نقشے جمتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک سیاسی بساط اٹھی اور دوسری علمی بساط

پھوٹتی نظر آتی ہے۔ ٹونک علماء، فضلاء، فقہا اور مشاہیر حکماء کا مرکز بنتا نظر آتا ہے دبستان فکر، اور علوم و فنون کا سرچشمہ اسی بنا سے پھوٹتا، پھیلتا اور سیراب کرتا دکھائی دیتا ہے۔ عربی فارسی کا یہ نادرِ زمانہ ذخیرہ اسی دور سعید کی یادگار ہے۔ اور آج بھی ٹونک ہی کی عظمت رفتہ تو نہیں تھامے ہوئے ہے۔ بلکہ اسلامی اور بین الاقوامی گنج گرانمایہ کی کلیدی اور مرکزی حیثیت کا حامل بنا ہوا ہے۔

نواب محمد علی خاں کے دور کے بعد ۱۸۶۷ء میں گلستان امیری کے گل سرسبد نواب ابراہیم علی خاں صاحب سریرآرائے حکومت ہوتے ہیں جیسے گلزار ابراہیمی میں گلہائے نورنگ کھل گئے ہوں یا بساطِ تہذیب پر نقشہائے رنگارنگ مرتسم ہوگئے ہوں۔ شہر بنا مکتب بنے تہذیب سے تہذیب بنی علمی چرچے ہوئے، علمی گیسو سنورے بکھرے، اور علم کے سرچشمے ابلے دنیا کی تاریخ میں ایسا طویل ترین دور کہیں اور کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ پوری تاریخ ٹونک کی، نصف تاریخ نواب ابراہیم علی خاں بہادر خلیل کے تاریخ ساز کارناموں کو محیط ہے۔

جشن میلاد شریف کی ہفت روزہ محافل کا انعقاد، گنگا جمنی طلائی، نقرئی سازو سامان کے آرائش و زیبائش، عمارات و محلات کی تعمیر، تہذیبی و ثقافتی گل افشانیاں دربار داری داد و دہش سب کچھ اسی دور کی یادگار ہیں۔ ایک طویل ترین شاہجہانی دور زریں کی یادگار تھا۔ جو تاریخ ٹونک کو بنا گیا اور اوجھل ہوگیا۔

۱۹۳۰ء میں دور سعید کا آغاز ہوتا ہے۔ نواب سعادت علی خاں بیدار مغز رئیس مسند ریاست پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مقامی غیر مقامی تحریک، انجمن خاندانِ امیریہ اور انجمن رعایا ٹونک کی ابتداء، دیسی پردیسی کشمکش، سیاسی جدوجہد، عوامی تحریک تعلیمی اور اصلاحی دور کا آغاز سادگی، گہرائی اور گیرائی، تدبر و دانشمندی کا دور دورہ اسی دور کی سعادتیں ہیں۔ جنکو فاضل مصنف نے بڑے اچھے طریقے سے پیش کیا ہے۔

چوں کہ وہ اسی دور میں، قابل ترین اور اعلےٰ ترین عہدہ ہیڈ ماسٹری سے ایڈیشنل انسپکٹر آف اسکولس تک رہ چکے تھے۔ اس لئے حالات و واقعات میں صحت اور روایت کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ بعض حالات و واقعات خود مصنف کے دیکھے ہوئے، بعض میں وہ وابستہ اور بعض واقعات خود ان سے وابستہ ہیں۔ اس لئے تاریخ کا نچوڑ نظر آتے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں نواب فاروق علی خاں بہادر کا دور تاریخ ٹونک کا مختصر ترین دور تھا جس میں بڑے مستحکم تعمیری اور تاریخی کارنامے ہوئے۔ ہندوستان پاکستان اسی دور میں بنے۔ ریاستوں کا انضمام بھی اسی دور میں ہوا۔ اور خلفشار وانتشار میں رکھ رکھاؤ اور تعمیر بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ عدل فاروقی، رعایا پروری کرم گستری، آبادکاری، صلہ رحمی اس مختصر ترین دور کی زندہ نشانیاں ہیں۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں نواب اسمٰعیل علی خاں تاج مسند نشین ریاست ہوئے اور گلشن ابراہیمی میں پھول کھلنے لگے۔ بہاریں برسنے لگیں حضرت تاج کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے ریاست ٹونک کو انڈین یونین میں ضم کر کے اپنے جد امجد نواب امیر الدولہ بہادر کے تحریک آزادی کے خواب رنگین کو شرمندۂ تعبیر کر دکھایا۔ محافل میلاد شریف کا اسی شان و شوکت سے اہتمام و انصرام، تاج اکیڈمی کا قیام، آل انڈیا یوم صولت اور دوسری اہم ادبی تقاریب کا انعقاد تاریخ ٹونک کو گلزار صد رنگ بنائے زندہ جاوید رکھیگا۔

سنہ ۱۹۷۴ء میں نواب اسمٰعیل علی خاں تاج کا انتقال ہو گیا۔ اور تاریخ ٹونک کی تمام عظمتوں کو سمیٹے وہ اسی شان شہنشاہی سے دفن ہو گئے۔ جس شان و شوکت سے وہ گدی نشین ہوئے تھے۔ ایک علم سرنگوں ہو گیا، ایک آفتاب غروب ہو گیا۔ اور شان امیری کا اقبال سات پردوں میں چھپ گیا۔ نوابان ٹونک کی عظمت و سطوت نوابی دور ختم ہونے کے بعد بھی عوام الناس کے دلوں پر

چھائی رہی اور خاندان امیریہ کے جملہ سرداروں اور عوام کے اکابر و مشاہیر نے فقر کی دی ہوئی ٹونک کی اس مسند کو خالی نہیں چھوڑا۔ نواب اسمٰعیل علی خاں کی چھوٹے بھائی نواب محمد معصوم علی خاں کو امیریہ روایات کے پیش نظر سربراہ اور نواب بنایا۔ جو اب بھی نشان امیری اور نشان وزیری کی زندہ یادگار ہیں۔ ٹونک ان سے اور وہ تاریخ ٹونک سے اب بھی وابستہ ہیں۔

تاریخ ٹونک مختصر داستان تھی جو ایک مرکز پر سمٹ کر رہ گئی ایک طولانی داستان نہیں کہ مختلف موضوعات کا سر دفتر بنتی ایک مقامی تاریخ ہوتے ہوئے بھی علاقائی اور صوبائی تاریخ سے ایک دور میں نہیں مختلف ادوار میں متعلق رہی ہے اس تاریخ نے کچھ لیا بھی ہے اور دیا بھی ہے۔ علمی، ادبی اور مذہبی روایات کے باب میں اس ریاست کو پورے راجستھان پر فوقیت رہی ہے۔ عدالت شرع شریف اور مدارس و مکاتب کا قیام ادبی کارپردازیاں، علمی و ثقافتی و تہذیبی، گل افشانیاں، دربار داری، رسم و رواج اور علم و ادب کی آگاہی اور اس کے فیوض و برکات نے ٹونک کو فوقیت و انفرادیت دے رکھی تھی۔

ہمارے استاد مکرم نے اس تاریخ کو ان صفحات رنگین میں پھر سے زندہ کر دیا موصوف نے نہ صرف نوابان ٹونک کی کارگزاریوں اور کارناموں کو ہی قلمبند نہیں کیا ہے بلکہ ہر نواب کے دور کے مشاہیر، علماء، ادباء اور شعراء کو بھی نوابان ٹونک کے ساتھ زندہ کر دیا ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اپنے اس گراں قدر منصوبہ پر نہ صرف لائق مبارکباد ہیں بلکہ اپنے اس جذبۂ خیر پر تبریک و تحسین کے بھی مستحق ہیں۔ ان کی یہ تصنیف ایک تاریخی سرمایہ کی از سر نو ترتیب و تنظیم ہی نہیں ہے بلکہ ایک گنج گرانمایہ کی بازیافت کی حیثیت کی بھی حامل ہے۔ انہوں نے تاریخ ٹونک لکھ کر اسی طرح کارنامہ انجام دیا ہے جیسے نواب امیر خاں اور ان کے اخلاف نے مختلف جہتوں میں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے

کارنامے کئے - اور ہم نے کارنامے بھلا دیئے - اعجاز صاحب نے کارنامے زندہ کر دیئے - اور ان کارناموں کو زندہ کرنے کا سہرا راجستھان سرکار کو جاتا ہے - جس نے عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کر کے اہل علم اور ارباب فکر و بصیرت کے لئے علمی ریاست دوبارہ پیدا کرنے کا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے - جہاں تصنیف و تالیف تحقیق و تدقیق تہذیب و ترتیب کا بیش بہا کام ہو رہا ہے - اسی تحقیقی کارہائے نمایاں کے ضمن میں تاریخ ٹونک بھی منظر عام پر آ رہی ہے - جو امید ہے خواص و عوام میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی اور پڑھی جائیگی - یہ ایک سعیٔ بلیغ اور لائق قدر تاریخی کارنامہ ہے - جسکو تنہا ماسٹر صاحب نے انجام دیا ہے - اللہ تعالےٰ ان کو تادیر زندہ سلامت رکھے - اس لئے کہ انہوں نے نہ جانے کتنے ایسے افراد لائق و فاضل و فعال شاگرد بنا دیئے، جو مختلف جہتوں میں علمی، ادبی، سیاسی کام کر رہے ہیں اور اپنے استاذ کا نام روشن کر رہے ہیں -

میرے لئے بھی یہ باعث فخر و مباہات ہے کہ میں جناب محمد اعجاز صاحب کا شاگرد ہوں - اور آپ نے مجھ احقر کو ہی اس تاریخ کو طبع کرانیکی ذمہ داری سپرد کی - جس کی وجہ سے ٹونک کی شاندار تاریخ قعر گمنامی میں ختم ہونے کے بجائے زندہ ہو گئی -

شوکت علی خاں
ڈائریکٹر
عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان
ٹونک

۷۸۶

ہند قبل از نواب محمد امیر خاں

ستر ہویں صدی کو ہندوستان میں مسلمانوں کے اقبال کی آخری صدی کہا جاسکتا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کے انحطاط کے آثار خود شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے محسوس کر لئے تھے۔
چنانچہ ۱۷۰۷ء میں عالمگیر کے انتقال پر سلطنتِ مغلیہ کا زوال تیزی سے ظہور پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ اس صدی میں وہ تمام طاقتیں وجود میں آچکی تھیں۔ جن کے پہلو میں سلطنت ہند کی شہنشاہیت کا ارمان پرورش پا رہا تھا۔ مثلاً انگریز اور فرانسیسی تاجر سے حکمراں بننے کے لئے سرگرم پیکار ہو گئے تھے۔ جنوبی ہند میں نواب کرناٹک سلطان میسور، نواب حیدرآباد اور سرداران مرہٹہ آپس میں کشمکش کرنے لگے تھے۔ نظام حیدرآباد نے انگریزوں کا ساتھ اختیار کر کے اپنے اقبال کی بقا کو سنبھال لیا۔

سلطان میسور دانا دشمن کو نہ پہچان کر، اپنی خودداری پر مر مٹے۔ مرہٹہ مہاراجگان میں سندھیا، ہلکر، بھونسلا، گائیکواڑ اور پیشوا نمایاں تھے۔ مگر کیونکہ ان میں خود اتفاق نہ تھا۔ اس لئے اس وقت کی سب سے طاقتور قوم اپنی متفقہ طاقت کا مظاہرہ نہ کرسکی۔ اور ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے تاریخی میدان پر اگرچہ کیا بھی

تو قسمت جغرافیائی اصول پر غالب نہ آسکی ۔ راجپوتانہ کے راجپوت اس صدی میں کچھ ایسے بجھے سے رہے کہ بس اپنی اپنی ریاستوں کو سنبھالے بیٹھے رہے۔

شمالی ہندوستان میں سکھوں کی ایک زبردست سلطنت قائم ہو چکی تھی ۔ جو ایک طرف تو شمالی حملہ آوروں کو روکے ہوئے تھی ۔ اور دوسری طرف مرہٹہ دل سے ٹکرانا چاہتی تھی ۔ دہلی کے تخت پر مغل بادشاہ متمکن ضرور تھے ، مگر شہنشاہیت دم توڑ رہی تھی ۔ یہاں تک کہ ۱۸۳۰ء میں اس نے اپنے وجود کا آخری سانس لیا ۔ اور عنانِ سلطنت انگریزوں کے سپرد کر کے خود کو ان کا پنشن خوار بنا لیا ۔

مسلمانوں میں روہیلہ پٹھانوں کی ایک مٹھی بھر قوم تھی ۔ جسے مُردہ نہیں کہا جا سکتا تھا ۔ اس قوم کے منچلے جوان گروہ باندھ کر کبھی سپاہیانہ زندگی میں بڑھ کر قسمت آزمائی کرنے نکل کھڑے ہوتے تھے ۔ یہ قوم زیادہ تر روہیلکھنڈ میں آباد تھی اور ترائی کے علاقہ میں کاشتکاری کیا کرتی تھی ، کہیں کہیں یہ مرہٹہ قوم کی افواج میں شامل ہو کر بڑی بڑی مہمیں سر کرتے تھے ۔ غرضکہ اٹھارہویں صدی تمام تر بدامنی اور جنگ وجدال سے پر رہی ۔ یہاں تک کہ ۱۸۱۳ء کے حالات ہند بیان کرتے ہوئے سر مالکم میلے لکھتے ہیں کہ

"ڈاکو اور پنڈاری سارے ملک میں غارت گری کرتے پھرتے تھے اور حکومت کا کہیں پتہ نہ تھا ، جو انتظام کرتی۔"

پنڈاریوں کا ذکر سب سے پہلے اورنگ زیب اور شواجی کی باہمی لڑائیوں میں آتا ہے ۔ اور کہیں کہیں نواب محمد امیر خاں کی جنگوں میں بھی پڑھا جائیگا ۔ لیکن نواب کو اس جماعت میں شمار کرنا جو پنڈاروں کے نام سے انیسویں صدی میں بدنام زمانہ تھی ، غلطی ہے ۔ نواب محمد امیر خاں کے ساتھ عموماً روہیلہ پٹھان تھے

جو ایک جگہ جم کر حکومت قائم نہ کرتے تھے بلکہ مالوہ اور راجپوتانہ کے مہاراجگان کے درمیان جھگڑوں میں پڑ کر جنگ جوئی کے جوہر دکھلاتے تھے۔ یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ وہ بے گناہ بستیوں کو جلا کر ان کے باشندوں کو لوٹ لیتے تھے۔ ان کا ذریعۂ معاش صرف فن سپاہ گری تھا۔ جس کی بدولت ان میں خود وہ طاقت آگئی تھی، کہ ان کی امداد کے متمنی ہلکر جیسے زبردست مرہٹہ سردار ہوئے۔ ان کا لوہا نظام دکن اور راجپوتانہ کے مہاراجگان بیں مانا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب نے بھی ان سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ اور انگریز تو ان سے اس قدر تنگ آگئے تھے کہ ان کو زیر کرنا مقدم جان کر بڑی سے بڑی فوج جو اس وقت مہیا ہو سکتی تھی ان کو گھیرے میں لینے کے لئے اکٹھا کی۔ کیونکہ انیسویں صدی کی شروع میں پٹھان سرداری راجپوتانہ اور مالوہ کے ڈکٹیٹر بنے ہوئے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے اختتام پر شمالی ہند میں دریائے ستلج سے پشاور تک سکھوں کی ایک زبردست سلطنت مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قائم کرلی تھی۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے سر چارلس مٹکاف کو رنجیت سنگھ کے دربار میں بھیج کر بڑی کوشش کے بعد ۱۸۰۹ء میں لاہور کا عہدنامہ مرتب کرایا تھا۔ تب ہی سے انگریزوں کے رنجیت سنگھ سے دوستانہ تعلقات قائم ہو سکے تھے۔ اس طرح رنجیت سنگھ کی قوت کو گنگا کی وادی میں بڑھنے سے روکا گیا۔ اور روس کے حملے سے خائف ہو کر سکھوں کو درمیان میں رکھا گیا۔ تاکہ روسی حملہ ہونے پر سکھ پہلے اسے روکیں۔

کوہِ ہمالیہ کے وسطی دامن میں گورکھوں کی ایک سلطنت نیپال میں قائم تھی۔ انگریزوں کی عدم مداخلت یا امن پسندی کی پالیسی دیکھ کر کچھ عرصے سے

ان پہاڑی جنگجو قوموں نے انگریزی علاقہ پر چھاپے مارنا شروع کر دیے تھے۔ چنانچہ بڑی دقت کے بعد گورکھوں کو شکست دیدی گئی۔ اور سنہ ۱۸۱۶ء میں ئگاؤلی کا صلحنامہ عمل میں آیا۔ اس کی رو سے ترائی کا بہت سا علاقہ اور گڑھوال، دکمایوں کے اضلاع انگریزوں کے سپرد کئے گئے۔ اس زمانہ کے مشہور پہاڑی شہر شملہ، نینی تال، مسوری، الموڑہ وغیرہ ان ہی کے اضلاع میں شامل ہیں۔

جنوب میں مرہٹہ سرداروں کا زور پانی پت کی تیسری جنگ ہو جانے کے بعد بھی کافی تھا خصوصاً ہلکر کو انگریز زیر نہ کر سکے تھے۔ نظام حیدرآباد غیر جانب دار تھے۔ اور اپنی سلطنت کو انگریزوں سے دوستی میں برقرار کر رکھا تھا۔ ریاست میسور میں سلطان ٹیپو کے خاندان کی حکمرانی ختم ہو چکی تھی۔ اور میسور کی حکومت کو قدیم مہاراجگان کی اولاد میں دیدیا گیا تھا۔ احاطہ مدراس دکرناٹک انگریزی سلطنت میں شامل تھا۔ احاطہ بمبئی میں سورت سالیسٹ اور بسین انگریزی عملداری میں تھے۔ باقی علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ مشرق میں بنگال و بہار تو پہلے ہی سے انگریزوں کی عملداری میں آچکے تھے۔ اب گنگا اور جمنا کی وادی بھی انگریزی سلطنت میں شامل کر لی گئی تھی۔ مغرب میں کاٹھیاواڑ کی ریاستیں اور وسط ہند اور راجپوتانہ کی ریاستیں راجہ ہلکر کے زیر اثر تھیں۔ ہندوستان کے قدیم پایہ تخت دہلی پر پہلے تو مہاراجہ سندھیہ کا قبضہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کا، قبضہ ہو گیا تھا، اور مغل خاندان کے برائے نام بادشاہ کو بطور پنشن خوار کے قلعہ دہلی میں رہنے دیا گیا تھا۔

لارڈ ولزلی کی جنگ جوئی اور فاتحانہ پالیسی سنہ ۱۷۹۸ء سے سنہ ۱۸۰۵ء تک قائم رہی، اس کی بدولت دکھن کے وسیع علاقے انگریزی قلمرو میں شامل کر لئے گئے تھے۔ لیکن ان علاقوں میں امن وامان اور انتظام قائم کرنیکا

اس زبردست مدبر کو موقع نہ مل سکا، اور جلد ہی اسے انگلستان بلا لیا گیا۔ اس کے بعد سر جارج بارلو اور لارڈ منٹو کے آٹھ سالہ دور میں عدم مداخلت و صلح پسندی کی پالیسی نے انتظامی حالات بگاڑ دیے۔ ڈاکوؤں اور پنڈاروں کے گروہوں نے انسداد سے نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا تھا۔ ان جرائم پیشہ لوگوں نے بعض پٹھان سردار مثلاً کریم اور چیتو خان بھی اپنے جتھوں کے ساتھ شامل تھے۔ لیکن نواب امیر خاں صاحب کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اپنے پٹھان دوستوں کی فوجوں کو لیتے ہوئے مالوہ اور راجپوتانہ میں گھوما کرتے تھے۔ اور بڑی سلطنتوں مثلاً نظام مرہٹہ، اور راجپوت راجاؤں سے داد شجاعت لیا کرتے تھے۔ اور راجاؤں کے درمیان جھگڑوں میں پڑ کر اپنی مدد کی قیمت پہلے طے کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر جانبین میں سے کسی ایک طرف ہو کر اپنی حمایت کا حق ادا کرتے تھے۔ اور مالوہ اور راجپوتانہ کے راجاؤں سے امن دہی و حفاظت کا ٹیکس یعنی آمدنی کا چوتھائی سالانہ وصول کیا کرتے تھے۔ اور نہ دینے والے سے بزور شمشیر رکھوا لیتے تھے۔ مگر پُر امن رعیت کو کبھی نہ لوٹتے تھے۔ ان کی فوجیں باون ۵۲ سرداروں کے جتھوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ جو خاص ضرورت کے وقت مل جاتی تھیں۔ اور ویسے بٹی ہوئی تھیں۔ اُن کی کل تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ جن میں مرہٹہ بھی شامل تھے۔ ان کی افواج میں زیادہ تر سپاہی روہیلہ قوم کے ہوتے تھے۔ جو ایک پٹھان اسٹیٹ قائم کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ مگر مرہٹوں کی کثرت اور طاقت کے سامنے اس خیال کو دل ہی دل میں رکھتے تھے اور موقع کے منتظر تھے۔ اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے کھٹک کر مرہٹوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔ اور اسے حبّ الوطنی کا جذبہ بھی سمجھتے تھے۔

امیرالدولہ امیرالملک نواب محمد امیر خان صاحب
"شمشیر جنگ بہادر"
۱۷۶۷ء سے ۱۸۳۴ء تک

سلسلۂ نسب:۔ محمد امیر خان بن محمد حیات خان بن طالع خان بن موسیٰ خان بن علی خان بن فتح خان بن خان بن اللہ داد خان بن یوسف خان بن کرہ خان بن ملھی خان بن سالار خان بن الیاس خان بن یوسف خان بن یوسف خان کلاں بن مجار خان بن فریشوں خان بن سٹرہ خان بن قیس عبدالرشید خان (آخرالذکر وہ ہیں جو افغانستان کا ایک وفد لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور جنہوں نے واپس اپنے وطن لوٹ کر افغانستان کے بدھ مت اور آتش پرستوں میں اسلام پھیلایا)

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر نے افغنہ یہودی کو اپنی فوج کا افسر بنایا تھا۔ اس کی اولاد جو کبھی فاتحانہ حیثیت سے افغانستان میں آئی، افغان کہلائی، اس لئے اس ملک کا نام ہی افغانستان ہو گیا۔ اور غالباً یہ نام صوبۂ کابل کو افغانستان انگریزوں کے دور میں کہا گیا۔ اور پٹھانوں کو سلیمانی بھی کہا جانے لگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بخت النصر بادشاہ بابل نے بیت المقدس کو

فتح اور تاراج کر کے بنی اسرائیل کے ہزاروں کنبوں کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا اور غزنی اور غور کے علاقہ میں لا بسایا تھا تب ہی سے اس ملک کا نام اپنے خاندانی بزرگ کے نام پر افغانستان رکھا۔ اور اپنی قوم کو بجائے بنی اسرائیل کے افغانی کہلوایا۔ بعد میں انکی نسلیں آتش پرست ہو گئیں۔ اور کچھ نے بعد میں بدھ مت اختیار کر لیا۔

پیدائش :۔ نواب محمد امیر خاں کے والد کی غربت انکی تعلیم میں مانع ہوئی۔ ویسے بھی اس زمانہ میں تعلیم کا چرچا بہت کم تھا۔ اس لئے فن سپاہ گری کے علاوہ کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے ہمجولی لڑکوں کی صفیں جنگ کے قاعدہ سے آراستہ کرتے تھے۔ اور پھر جنگ کا حکم دیکر آپس میں چھڑیوں سے بھڑاتے تھے۔ اور خود کمزور پارٹی کی طرف سے لڑکر اسے جتانے میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اور جیتنے والی پارٹی کو کوڑیاں یا اناج تقسیم کیا کرتے تھے۔ بچپن ساتھیوں میں ان کا وقار کافی تھا۔ کبھی لڑکے ڈنڈوں کی پالکی بنا کر انہیں اس پر بٹھاتے تھے۔ اور کندھوں پر ادھر ادھر لئے پھرتے تھے۔ اور باقی لڑکے مثل اردلی کے پالکی کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ تب ایسی حالت میں انہیں سپہ سالاری، اہلکاری اور چوبداری کے عہدے دیے جاتے تھے۔ غرض لڑکپن ہی میں اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے۔

معصومیت کے زمانہ میں ایک دن باکباز شاہ نامی ایک درویش نے اس خوش طالع لڑکے کو بلا کر پوچھا "دودھ پیئیگا"؟ لڑکے نے کہا "جی ہاں" "بس درویش نے ایک پیالہ جس میں شراب تھی دیکر کہا "لے پی جا" لڑکے نے اسے شربت کے دھوکے سے منہ لگایا تو مزہ اس کا شربت یا دودھ سا نہ پایا۔ اور غصہ کی حالت میں پیالہ زمین پر گرا دیا۔ تب درویش نے کہا "اے ناآشنا یہ تو تیری مراد کا شربت تھا۔

افسوس کہ تونے اسے پھینک دیا۔ اگر سب پی جاتا تو کیا جانے تیرے لئے کیا ہوتا۔
خیر پھر بھی جتنا تیری قسمت میں تھا اتنا ملیگا۔"

جوانی:۔ لڑکپن کا زمانہ گذر جانے کے بعد جب جوانی کی ضرورتوں نے تلاش معاش پر مجبور کیا تو جہاں گردی کے شوق۔نے وطن سے دل اچاٹ کر دیا۔ تب اپنے والد سے باہر جانے کی اجازت مانگی۔ مگر وہ الفت پدری کے سبب ٹالتے رہے مگر جب والد کی مرضی نہ پائی تو ایک دن بغیر اجازت ہی گھر سے چل دیے اور پہلی مرتبہ لکھنؤ آئے مگر ناکام واپس ہوئے۔ دوسری مرتبہ غلام قادر خان روہیلہ کی فوج کے ساتھ میرٹھ تک جانا ہوا، مگر پھر بھی روزگار نہ ملا۔ اور تقدیر ان کے صبر کی آزمائش کرتی رہی۔ تب اس ہونہار نوجوان نے یہ سمجھ کر کہ باپ کی رضامندی نہ لینے پر ناکامی دیکھنا پڑتی ہے۔ واپس آکر ارادہ کیا کہ جب تک باپ اجازت نہ دیں گے ہرگز باہر نہ جائیں گے۔

سپاہیانہ زندگی

۱۷۸۸ء سے ۱۸۱۷ء تک

زفضلش سپاہی سپہ دار شُد
امیر و سرِ فوج و سالار شُد

تلاشِ ملازمت:۔ اقبال مند نوجوان نے گھر کی پرسکون زندگی سے تنگ آکر بیس برس کی عمر میں پھر سفر کا ارادہ کیا۔ اور اپنے پدر سے رخصت مانگی۔ باپ نے یہ دیکھ کر کہ جوشِ شجاعت، نوجوان بیٹے کو باپ کے گوشۂ عافیت میں چین سے نہیں بیٹھنے دیگی۔ ناچار بیٹے کی مفارقت گوارا کرلی۔ اور دعائے خیر دیکر سپردِ خدا کیا۔

غرض ۱۷۸۸ء میں چند احباب کے ساتھ کسب معاش کے لئے پھر نکلے۔ راستہ میں چند اور نوجوان شامل ہو گئے۔ اور بطور مذاق کے محمد امیر خاں کو جمعدار کہنے لگے۔ کسے معلوم تھا کہ آگے چل کر یہ شگونِ نیک ثابت ہوگا۔ غرض یہ چالیس (۴۰) رفقا پہلے متھرا پہنچے۔ وہاں راجہ سندھیا کی طرف سے دوبائی صاحب خیمہ زن تھا۔ اور بھرتی کر رہا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے کو پیش کیا۔

دوبائی صاحب نے ان میں سے چند کو چھانٹا۔ مگر محمد امیر خاں کو کم عمری کے سبب نہ لیا۔ اس لئے باقی ساتھی وہاں سے روانہ ہو کر دلی ہوتے ہوئے کانوڈ علاقہ ریواڑی میں چلے گئے۔ اور یوسف خاں رسالدار سے ملے۔

اور انکی سفارش سے نجف قلی خاں کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ یہ ملازمت دو ماہ تک رہی۔ پھر یوسف خاں کے ذریعہ کھٹری میں جاکر وہاں کے رئیس باگھہ سنگھ کی ملازمت میں چار ماہ تک رہے۔ پھر وہاں سے یوسف خاں کے ہمراہ ناگور چلے آئے۔ وہاں اسمٰعیل بیگ خاں نے ملازم رکھ لیا۔ پھر ان کے ہمراہ ناگور سے جودھپور اور وہاں سے پالن پور علاقہ گجرات میں چلے گئے۔ جب اسمٰعیل بیگ خاں پالن پور سے جودھپور واپس ہوئے تو یوسف خاں کا منشا اپنی دختر دینے کا معلوم ہو کر انہیں ناگوار گذرا اور رسالدار محمد یوسف خاں کی رفاقت چھوڑ کر اپنے پچاس رفقاء کے ساتھ ایڈر علاقہ جودھپور کے راجہ کے یہاں ملازمت کرلی۔ پھر وہاں سے بھی ترک ملازمت کر کے سورت کا راستہ لیا۔ مگر راستہ میں خرچہ کی کمی کے سبب بہت سی ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ سورت پہنچنے پر صرف دو سو آدمی رہ گئے۔

اسی دن ایک پنڈت راجہ گائیکواڑ (بڑودہ) کی طرف سے انگریزوں کی چوتھ وصول کرنے کے لئے عربوں کے چالیس پچاس سوار لیکر سورت آیا ہوا تھا اور اپنی قوت بڑھانے کی فکر میں نوجوان سپاہی نوکر رکھ رہا تھا۔ محمد امیر خاں بھی رات کے وقت اس سے جاکر ملے اور اس نے ان کو معہ ان کے دو سو سواروں کے نوکر رکھ لیا۔ اور ایک تنخواہ بھی پیشگی دیدی پھر سورت سے کوچ کر کے آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک گڑھی میں قیام کیا۔ تب محمد امیر خاں نے پنڈت سے کہا۔ کہ تم نے ہمیں جس کام کے لئے نوکر رکھا ہے وہ بتلاؤ۔ تاکہ اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے پنڈت نے کہا کہ انگریز مجھے کمزور سمجھ کر راجہ گائیکواڑ کے حق کی تین سال کی چڑھی ہوئی چوتھ ادا نہیں کرتے ہیں۔ بس محمد امیر خاں نے اپنی مٹھی بھر جمعیت سے ہی اس کام کو کر ڈالنے کی ٹھانی۔ اور پنڈت کے ایک سو سواروں کو معہ اپنے ساتھیوں کے

لیکر پچھلی رات میں سورت کی شہر پناہ کو آگھیرا۔ اور اپنی سپاہ کو مکا کے کھیتوں میں چھپادیا اور پنڈارت کے سواروں کو شہر کے بند دروازوں پر تعینات کر دیا۔ اور ہدایت کردی کہ جونہی دروازہ کھلے اور آدمی باہر آئیں تو ان میں سے کچھ کو زخمی کر کے جلد ہمارے ساتھ آملیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ انکی اس جرأت سے انگریز سمجھے کہ دشمن کی کثیر فوج نے ہمیں آگھیرا ہے۔ پس انگریز حاکم دو پلٹنیں لے کر باہر نکلا اور پنڈارت کو بلا کر خون خرابی کی وجہ پوچھی جس کے جواب میں پنڈارت نے پچھلی تمام بقایا چوتھ طلب کی۔ تب انگریزوں نے مہلت مانگی اور پنڈارت کی فوج کو رستم باغ میں ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ اس موقع پر محمد امیر خاں نے انگریزوں پر رعب ڈالنے کے لئے سب سپاہیوں کو بھالوں پر جھنڈے باندھ کر باغ کی دیواروں کے متصل کھڑا کر دیا۔ یہ انتظام کر کے آپ خود معہ چند جانثار رفقاء اور پنڈارت کے، باغ سے باہر انگریزوں کے وکلاء سے بات چیت میں مصروف ہوئے۔ انگریزی وکلاء نے جو باغ میں نشانوں کی کثرت دیکھی تو دشمن کی کثیر فوج کا گمان کیا۔ اور خائف ہو کر مطالبہ قبول کر لیا۔ اور تین سالہ چوتھ کی چڑھی ہوئی رقم ادا کردی۔ انگریزوں سے وصول کر کے پنڈارت توڑودہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور محمد امیر خاں کے ساتھیوں کو انعام دیکر جواب دیدیا۔

تب ان سب نے کوکن (نواح بمبئی) کا راستہ لیا۔ مگر راستہ کی تکالیف سے بہت سے ساتھی بچھڑ گئے۔ یہاں تک کہ جب کوکن پہنچے تو صرف پچاس رفقاء ساتھ تھے۔ اور وہ بھی اس دن فاقے سے تھے۔ تب ایک ساتھی نے اپنا سنار سوا روپیہ کا شہر میں جاکر بیچا۔ اور اس کے چنے خرید لئے گئے۔ اور ابال کر سب نے کھائے۔ غرض اس طرح گذارا کرکے ناسک پہنچے۔ اس شہر کے رؤسا نے ایک ہفتہ تک تواضع کی۔ اور وہاں کے صوبیدار پنڈارت نے پھر ان سب کو ملازم رکھ لیا۔

برسات وہیں گذاری۔ اس عرصہ میں پنڈت تاراشنکر جو پیشوا کی طرف سے لوٹن بچھار ضلع مالوہ کا صوبیدار تھا۔ اتفاق سے وہاں آپہنچا۔ اور ان سب کو ملازم رکھ کر لوٹن بچھاڑ میں لے آیا۔ تب یہ سب لوگ ایک برس تک اس کی ملازمت میں رہے۔ اس عرصہ میں محمد امیر خاں کے چھوٹے بھائی کرم دین خاں جو حرم سے تھے اور خان کی خبر لانے کے لئے گھر سے نکلے تھے مالوہ میں ان سے آملے۔ اور دونوں بھائی ساتھ زندگی گذارنے لگے۔ مگر محمد امیر خاں پھر اپنی زندگی میں اپنے والد سے نہ مل سکے۔

مالوہ میں ابتدائی کارنامے

بھوپال کے حالات ان دنوں بگڑ رہے تھے۔ ایسے مواقع منچلے سورماؤں کے لئے سنہری سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد امیر خاں ۱۷۹۴ء میں تین سو سواروں کے ساتھ بھوپال آگئے۔ اور امیر محمد خاں نائب الریاست بھوپال کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ امیر محمد خاں کی غوث محمد خاں ولیعہد بھوپال سے چلی ہوئی تھی۔ پس ولیعہد نے کچھ ایسی چال چلی کہ نائب کی بیشتر فوج ولیعہد سے جا ملی اور نائب قلعہ فتح گڈھ میں محصور ہو گیا۔ پھر ولیعہد نے محمد امیر خاں کو بھی ہر چند لالچ دیکر اپنی طرف توڑنا چاہا۔ لیکن اس مرد باوفا نے مشکل کے وقت اپنے آقا کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور ولیعہد کی ملازمت قبول نہ کی۔ اور کچھ عرصہ کے لئے لوٹن بچھاڑ واپس چلے آئے۔ جب بھوپال واپس ہوئے غوث محمد خان مسند نشین ہو چکے تھے اور نیابت کے عہدے پر رائے ہمت رائے فائز کر دیے گئے تھے۔ کیوں کہ دس برس سے متوفی کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔

خان جب رائے ہمت رائے صاحب سے ملے تو وہ بڑی قدر و منزلت سے

پیش آیے اور عہدۂ سپہ لاری دلانے کے لئے نواب سے ملایا۔ مگر نواب کا دل پہلے ہی سے ان سے صاف نہ تھا۔ اس لئے خان کو جواب دیدیا۔ یہ بات رائے صاحب کو ناگوار گذری چنانچہ رائے صاحب نے بھی ریاست کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ (یہ تھیں اس زمانہ کی وفاداریاں اور ذمہ داریاں)

ایک دن کسی فقیر نے خان سے سوال کیا۔ اسوقت خان کے پاس صرف ڈیڑھ درہم تھا۔ اس لئے خدمتگار کے ہاتھ وہی فقیر کو بھیجدیا فقیر نے خوش ہو کر خدمتگار کو تین چھڑیاں دیں اور فرمایا کہ خدا نے تین طرف کی ریاست تیرے امیر کو دی۔ یہ تینوں چھڑیاں اس کو دیدینا۔ خدمتگار نے جاکر جونہی یہ مژدہ سنایا خان آدھا درہم رفتار سے لیکر اس دلی کے پیچھے دوڑے اور عرض کی "آپ نے چوتھا حصہ کس کے لئے چھوڑا؟ یہ آدھا درہم اور لیجئے اور وہ بھی عطا کیجئے"۔ تب تاج بخش فقیر نے کہا کہ "اب دعا کے قبول ہونے کا وقت نہیں رہا۔ تو اسی پر قناعت کر"۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد نواب غوث محمد خاں والی بھوپال نے سو اشرفیاں خرچہ کے لئے بھیجدیں اور نوکری کا پیغام بھی کہلایا۔ خان نے اس نعمت کو فقیر کی دعا کی بدولت سمجھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور دوسرے ہی دن ریاست بھوپال کی ملازمت اختیار کرلی۔

اس وقت ناگپور کے راجہ بھونسلے کی سپاہ نے ہوشنگ آباد کا قلعہ گھیر رکھا تھا۔ اور بھوپال کے سرداروں پر اس قدر رعب غالب تھا کہ کسی کو اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر کو نواب غوث محمد نے محمد امیر خاں کو محصوران جنگ کی امداد پر جانے کا حکم دیا۔ خاں اسی وقت تین سو سواروں کو لیکر راتوں رات روانہ ہوئے۔ اور غنیم کے قریب دریائے نربدہ سے آدھے کوس کے فاصلہ پر جا پہنچے۔ پھر خان اپنی جمعیت کو پیچھے چھوڑ کر خود تفتیش حال کے لئے آگے۔

اور بڑی ہوشیاری سے معلوم کرلیا کہ سب خواب غفلت میں پڑے سو رہے ہیں پس فوراً واپس آکر ہمراہیوں سے کہا کہ ساحلِ دریا تک کہیں دشمن کا پتہ نہ پایا پس اسی وقت دریا پار اتر جانا چاہیئے۔ یہ سنتے ہی سب رفقاء اٹھ کھڑے ہوئے اور دریا پر آپہنچے۔ جس کی دوسری جانب دشمن کو غافل پایا۔ تب خان نے کہا سوچتے کیا ہو۔ تین صفوں میں ہو کر باڑ چلاؤ۔ غرض یہ کہ غنیم گولیاں کھا کر خواب سے چونکے اور بے وقت کے حملہ سے گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ پھر خان نے خود بھالا سنبھالا اور بہت سوں کو خاک پر پچھاڑ دیا۔ پھر ساحلِ دریا سے قلعہ والوں کو آواز دی کہ کشتی جلد ادھر بھیجو۔ پھر چند کشتیاں بھیجی گئیں۔ جس میں خان اور ان کے کچھ جانثار بیٹھ کر قلعہ میں جا داخل ہوئے۔ اگرچہ دشمن کی سپاہ نے کشتیوں پر پیچھے سے گولیاں چلائیں۔ مگر کارگر نہ ہوئیں۔ نواب غوث محمد خاں نے اس وفاداری اور شجاعت کے انعام میں قلعہ فتح گڈھ اور پرانے قلعہ کا انتظام سپرد کیا۔

اس عرصہ میں ریاست کا انتظام پھر ابتر ہو گیا۔ کیوں کہ نواب حیات محمد خاں کی بیگم نے ریاست کے حالات پر قابو پالیا تھا۔ مگر انتظام کے لئے اپنے شوہر کے بھتیجے مرید محمد خاں کو راحت گڈھ سے طلب کیا۔ اس نے نواب محمد امیر خاں جیسے بہادر مدبر نفس کے ہوتے ہوئے اپنی دال گلتی نہ دیکھی۔ تو بیگم کو لکھ بھیجا کہ محمد امیر خاں بردیسی کو جو قلعوں پر قابض ہے جواب دیدو تو آسکتا ہوں۔ پھر بیگم نے ایسا ہی کیا۔ پس جب مرید خاں بھوپال آگئے تو خان وہاں رہنا مناسب نہ سمجھ کر سرونج چلے آئے، سرونج سے نواب لکھوا کے پاس گئے۔ اور ایک ہفتہ امیدداری کی پھر بالا راؤ سندھیا کے پاس پہنچے۔ دس دن بعد اس نے جواب دیدیا۔ کہ تمہارا گذار یہاں نہ ہوگا۔ کیوں کہ تمہارے ساتھ خرچے بہت ہیں تب خان نے حق امیدواری چاہا تو وہ بھی نہ دیا گیا۔ اس پر ایک کٹار بغل میں چھپا کر بالا راؤ کے

پاس قلعہ میں پہنچ گئے۔ اور سرِ دربار اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کٹار اس کے سینے پر رکھدی۔ خان کی اس دلیری سے خوش ہو کر اور ان کے سپاہیانہ جوہروں کو سمجھ کر شیخ کلب علی کے ہاتھ نوکری کا پیغام بھیجا۔ مگر خان نے اسے منظور نہ کیا۔ اور چار ماہ تک مع رفقائے کے بیکار بیٹھے رہے۔ اس اثنا میں مرید محمد خاں نے ریاست بھوپال کا انتظام سنبھال کر خان کو کہلا بھیجا کہ اس وقت کی مصلحت یہی تھی کہ میں نے تمہیں رخصت کرایا تھا۔ مگر اب تمہاری ضرورت ہے۔ تم امید واری کے بہانے سے آکر شہر کے باہر خیمہ زن ہو جاؤ۔ میں تم کو خرچ خفیہ طور پر بھیجتا رہوں گا۔ اور تم فوجی بھرتی کرتے رہنا۔

بعد ازاں مرید محمد خاں نے حالات پر قابو پاکر نواب حیات محمد خاں کی بیگم کو جان سے مار ڈالا۔ اور خان کو نواب حیات محمد خاں کے محل کی ڈیوڑھی پر متعین کیا۔ اس خدمت کو خان نے نو مہینے تک انجام دیا۔ مگر بھوپال کے سرلشکر رحیم خاں سے بگاڑ ہو جانے پر پھر سرونج آگئے۔

لچھمن راؤ سے جنگ

سنہ ۱۷۹۸ء میں مرہٹوں کے ساتھ پنڈارے، جن کا اب تک محمد امیر خاں کے لشکر سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ ہلکر اور سندھیا کا ملک میں ڈنکا بج رہا تھا۔ مگر راجہ جے سنگھ والئ راگو گڈھ نے دولت راؤ سندھیا کا مقابلہ کیا۔ سندھیا نے راگو گڈھ تو چھین لیا۔ مگر راگو گڈھ کے راجہ نے، سندھیا کا علاقہ لوٹنا شروع کیا۔ اور سرونج پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت محمد امیر خاں بھی بھوپال سے آکر راجہ راگو گڈھ کے ساتھ ہو گئے۔ اور دونوں نے ملکر سندھیا کی عملداری میں آفت برپا کردی۔ اور راگھو گڈھ کے قلعہ کو گھیر لیا۔ تب ہمید پور کا

حاکم پنڈت لچھمن راؤ، جاگیردار مسیت پور سندھیا کی طرف سے دو ہزار پیادہ اور اور پچیس ضرب توپیں لے کر مقابلہ کو آیا۔ پنڈت کی سپاہ نے جو بلندی پر بھی گولے مارے۔ وہ نشیبی حصہ کے اوپر سے نکل گئے۔ ادھر محمد خاں نے دشمن پر دوسری سمت سے چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ جنگ دست بدست ہونے کی نوبت آگئی۔ خان کے ایک افغان سپاہی عنایت خاں نے لچھمن راؤ کو قتل کر ڈالا۔

تب اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور خان کے ہاتھ بہت مالِ غنیمت آیا۔ جس میں ڈیرہ، توپخانہ، پالکی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ پہلی جنگی لوٹ تھی۔ جو نواب کے ہاتھ آئی۔ اور پہلی پالکی نشینی تھی جو تلوار کے زور پر نصیب ہوئی۔

اس کے بعد محمد امیر خاں پھر سرونج لوٹ آئے اور راگوگڈھ کے راجہ کی برابر رفاقت کرتے رہے۔ اسی اثنا میں خان گھوڑے سے گر پڑے۔ اور پاؤں میں بندوق کی گولی کا ایسا زخم لگا تھا سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی حالت میں ایک روز اپنے ڈیرے سے جو شہر سرونج کے باہر تھا پالکی میں بیٹھکر درگاہ مرتضیٰ علی کی زیارت کو گئے۔ (یہاں صرف پنجہ کا پتھر پر نشان ہے جس کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا جاتا ہے۔) یہ وہی زیارت ہے جسے اب "مولیٰ علی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ واپسی میں راجہ بجے سنگھ والی راگوگڈھ نے خان کی معذوری دیکھ کر کسی وجہ سے ان سے دغا کی۔ اور اپنے آدمیوں سے پالکی پر پتھر برسوائے۔ تب خان کے ہمراہیوں نے اپنی ڈھالوں سے پالکی کی حفاظت کی اور خان کے بھائی کریم دین خاں نے تلوار سونت کر راجہ کے بڑھتے ہوئے آدمیوں کو روکا۔ پھر بھی زخمی پاؤں پر پتھروں سے کئی زخم لگے۔ اس حال کی خبر پا کر خان کے مسلح سپاہی موقع پر آپہنچے۔ اور راجہ نے اپنی تدبیر ناکام دیکھ کر عذر خواہی کی۔ مگر خان نے اس راجہ کی

رفاقت سے اپنا دِل ہٹالیا۔

زخموں کے معالجہ کے زمانہ ہی میں ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر خان، شاہ ظہور اللہ کی زیارت کو گئے۔ یہ مجذوب شہر کے باہر ایک گوشہ میں بیٹھ کر، یادِ الٰہی میں معروف تھے اور کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ نہ وہاں سے اٹھ کر کہیں جاتے تھے۔ نہ کوئی سامان رکھتے تھے۔ صرف ایک سیاہ کمبل اوڑھے رہتے تھے۔ ان بزرگ کے خادم نے جب خان کی آمد کی خبر سنی، تو اطلاع کی تو بلایا۔ اور کہا بیٹھ جاؤ۔ پھر فقیر نے پوچھا "کیوں آئے ہو" اور ہمارے لئے کیا لائے ہو۔ خان نے عرض کی میرا حال آپ کو خود ہی معلوم ہے۔ پھر فقیر نے کہا "ہم کو کچھ دے" اس وقت خرچ کی تکلیف ہے خان کے پاس کچھ نہ تھا بس دوپٹہ اپنی کمر سے کھول کر فقیر کو اڑھادیا۔ تب "فقیر نے کہا اپنا دوپٹہ اپنی کمر سے باندھ لے۔" غرض ذرا اصرار کے بعد دوپٹہ خان نے لے لیا۔ پھر درویش نے کہا تو صاحب ملک و حشم ہوگا۔ اور دنیا میں بہت کچھ رنج و راحت اٹھائیگا۔ اس تیسری پیشین گوئی سے خان نے پھر کمر ہمت باندھی۔ اور زمانۂ مستقبل میں ان کو اپنا مقام شاندار نظر آنے لگا۔

بالاراؤ سے جنگ

صحت یابی کے بعد سرونج سے کوچ کر کے خان شجاع الپور پہنچے۔ ان دنوں سندھیا کا ایک سردار بالاراؤ اس علاقہ پر حملہ کرنے والا تھا۔ اس لئے شجاع الپور کے حاکم نے خان کو ملازمت کا پیغام بھیجا۔ جسے خان نے منظور نہ کیا۔ لیکن لڑائی کی ساری ذمہ داری دس ہزار روپیہ میں ٹھرائی۔

غرض اسی اثنا میں بالاراؤ کے چھ ہزار سوار اور پیادے ایک بندوقچی اور

عزیز خاں نامی افغان کی سرکردگی میں شجاع الپور آپہنچے۔ اس فوج میں منور خاں اور مظفر خاں دو روہیلے سردار بھی تھے۔ محمد امیر خاں نے انہیں کہلا بھیجا۔ کہ تم دونوں میرے ہم قوم ہو۔ میں نے یہاں کی لڑائی کا ٹھیکہ دس ہزار روپیہ میں لیا ہے۔ پس اگر تم میرے رفیق ہو جاؤ تو میں تمہیں آدھا روپیہ دیدونگا۔ مگر انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ بات ہماری قومی غیرت کے خلاف ہے۔ پس خان نے دل مضبوط کر کے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کہ مجھے گھوڑے پر چڑھا کر میرے پاؤں کے زخموں کو رومال سے باندھ دو۔ اور دشمن کے قریب پہنچ کر دشمن پر یکبارگی بندوقوں کی باڑ مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ محمد امیر خاں کے سپاہی تو دشمن کی پلٹن پر حملہ آور ہوئے۔ اور غالب آئے۔ اور خان دس بارہ سواروں کے ساتھ صفوں کو چیرتے ہوئے اندر گھس گئے۔ اور عزیز خاں سے دست بدست لوہا لیا۔ اور اسے گھوڑے سے مار گرایا۔ اور غول کو چیر کر فوج کے کمانڈر پنڈت کو بھی نیزے پر اٹھا لیا۔ ان کے مرتے ہی ساری فوج بھاگ نکلی۔

اس کے تین دن ہی بعد بالاراؤ نے شجاع علپور کا محاصرہ کر لیا۔ اور خان سے کہلا بھیجا۔ کہ ہماری نوکری کر لو آجاؤ۔ مگر خان نے جواب دیا۔ کہ اس وقت غنیم کی نوکری کرنا۔ جوانمردی اور وفاداری کے خلاف ہے۔ مگر یہاں سے ہٹ جانے کے بعد پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ غرض خان نے درمیان میں پڑ کر جانبین میں صلح کرادی۔ اور حاکم شجاع الپور کو وہاں سے نکال کر اپنے ضابطہ کے ساتھ ناگپور پہنچا دیا۔ اور بالاراؤ کا عمل دخل جب شجاع الپور میں ہو گیا۔ تب بالاراؤ نے خان کو بلا کر اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ اور چار روپیہ پیادہ کے اور دس روپیہ سوار کے مقرر کر کے خان کے رفقاء کو بھی ملازم رکھ لیا۔ اور خان کو مع انکے رفقاء کر تھانہ بٹھانہ (سرونج) بغرض عملداری بھیجا۔ وہاں کرم دین خاں جو فوجی بھرتی کیلئے بھوپال گئے ہوئے تھے۔ بھائی سے آملے۔

جسونت راؤ ہلکر سے رفاقت

اس وقت بھوپال کا انتظام پھر بگڑ گیا تھا۔ پنڈارے اور مرہٹے پے در پے حملے کر رہے تھے۔ اور تحصیل آمدنی درہم برہم ہو رہی تھی۔ اس وقت نواب حیات محمد خاں نے فراہمی تحصیل کا کام خان کے سپرد کیا۔ اسوقت اس کام کو آٹھ ماہ تک کرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد کر لی۔ اور جب تک نواب بھوپال اس سپاہ کا خرچ برداشت کرتے رہے۔ خان بھی اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ مگر اندرونی سازشوں سے تنگ آکر آخر استعفیٰ دیدیا۔ چلتے وقت نواب حیات محمد خاں نے چار توپیں اور ایک ہاتھی بطور انعام کے دینا چاہا۔ مگر خان نے اپنی غیوریت سے نہ لیا۔

غرض خان بھوپال سے کسی سمت روانہ بھی نہ ہو پائے تھے کہ مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کا پیغام بغرض کمک آپکے پاس آیا۔

جسونت راؤ اندور کے راجہ تھے۔ اور اپنے وقت کے ایک نامور اور دلیر راجہ گذرے ہیں۔ ان کا ایک خدمتگار کبھی خان کے پاس بھوپال میں رہ چکا تھا۔ جب اس نے راجہ ہلکر کو ملک کی ادھیڑ بُن میں دیکھا۔ تو راجہ سے آکر کہا۔ کہ اگر آپکو توصلا فزائی کا ارادہ ہو تو امیر خاں روہیلہ کو جو دلیری اور دانائی میں اس وقت اپنا جواب نہیں رکھتا ہے اپنے ساتھ ملا لینا چاہیئے۔ انکی تدبیر اور تہور سے آپکی امیدیں برآئیں گی۔ راجہ نے اس زرین مشورہ کا خیر مقدم کیا۔ اور اس خدمتگار کو خان کے پاس بھیجا۔ جب اس نے یہ سب حال خان سے بیان کیا تو خان نے کہا۔ کہ ہلکر ایک بڑے مرہٹہ سردار کا لڑکا ہے۔ وہ اگر اپنا کوئی معتمد بھیجتا تو بہتر ہوتا۔ یہ سن کر وہ تو

لوٹ گیا - اور جو جواب خان سے سنا تھا - راجہ سے جا کر عرض کر دیا - تب راجہ نے اپنے دو معتمد مرہٹوں کو روانہ کیا - انہوں نے آ کر اپنے راجہ کی بہت کچھ تعریفیں کیں - اس پر خاں نے غلامی خان افغان کو راجہ ہلکر کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا -

واپس آ کر اس نے کہا کہ راجہ کے پاس اگرچہ کسی بھی قوت کا ساز و سامان نظر نہیں آتا ہے - مگر چونکہ ایک مانے ہوئے مرہٹہ سردار ملہار راؤ ہلکر کا پوتا ہے - اس لئے ممکن ہے کہ اس کی رفاقت سے بڑے بڑے کام سر انجام پائیں - اور راجہ کو اپنی ملاقات کی خوشخبری بھیجی -

خان بھوپال سے کوچ کر کے شجا علپور میں آئے - اس وقت ہلکر کو جو چھوٹے چھوٹے گاؤں لوٹتے پھرتے تھے شجا علپور کے گاؤں والوں نے گھیر لیا تھا - جب یہ خبر خان کو پہنچی تو خان نے جلد ہی اس گاؤں کا محاصرہ کر لیا - اور راجہ کو چھڑا لیا پھر شجا علپور میں دونوں سرداروں کی ملاقات سنہ ۱۲۱۴ھ مطابق سنہ ۱۷۹۸ء میں ہوئی - جسونت راؤ ہلکر کی اس وقت کی پوزیشن نوٹ کرنے کے قابل ہے - اس کے بعد انہوں نے جسقدر بھی ترقی کی وہ محمد امیر خاں کی رفاقت کی بدولت ہے -

ہنڈیا شہر پر حملہ

ہلکر وہاں سے کوچ کر کے آشتہ کی چوتھ لیتے ہوئے مہیندر پور کو روانہ ہو گئے اور پھر وہاں سے چل کر دریائے نربدا پر ڈیرے ڈالے نربدا کے دوسرے کنارے پر ہنڈیا شہر کے متصل مہاراجہ سندھیا کی فوج پڑی تھی - اور دریا پایاب نہ تھا -

خان نے پچھلی رات کو اپنے بھائی کرم دین خاں سے کہا - کہ تم ایک سو بندوقچی لیکر ابھی جاؤ اور اس پایاب طرف سے دریا کو پار کر کے غنیم کی فوج پر اس انداز سے باڑ مارو کہ وہ ہماری طرف سے غافل ہو جائیں - تب ہم اس پایاب گھاٹ سے

اتر کر ان پر آپڑیں گے۔ اور کام تمام کر دیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جس سے وہ گھبرا کر شہر کی طرف بھاگے۔ پس اسی دم ہلکر اور خان نے پایاب گھاٹ سے اتر کر ساری جمعیت کو مار بھگایا۔ اور پھر شہر ہنڈیا کو لوٹ کر بہت سی غنیمت حاصل کی۔

ہنڈوہ میں ایک دن مقام کر کے کھنڈر اور نہگن گاؤں کی ضبطی لیتے ہوئے بھرائندے گھاٹ پر پہنچے ۔ وہاں میجر منگ صاحب مہاراجہ سندھیا کی طرف سے دو پلٹیں سواروں کی ایک رجمینٹ اور چار توپیں لئے کھڑا تھا۔ ایسی سنگین فوج پر حملہ کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ مگر خان نے اپنی جمعیت کی قلت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ اور جنگ قزاقی شروع کر دی۔ اور صرف سترہ سواروں کو ہمراہ لیکر، ایک پہاڑ کے نیچے سے گشت کر کے دھاوا بول دیا۔ اور غنیم کی صفوں کو چیر کر بہت سوں کو مار ڈالا۔ پھر دوسری سمت پلٹن کی طرف رخ کیا۔ اس میں خان کے سترہ سواروں میں آٹھ تو مر چکے تھے ۔ اور صرف نو ۹ باقی تھے۔ پھر بھی خان نے توپوں کا رخ بچا کر دوسری سمت سے حملہ کر دیا۔ اسی اثنا میں تائید غیبی سی ایک ہزار سوار دوسری سمت سے حملہ کر کے رفاقت میں آشامل ہوئے ۔ ادھر راجہ ہلکر بھی چھ سو سواروں کے ساتھ خان سے آملے ۔ تب سب نے متفق ہو کر اس پلٹن کو بھی مار بھگایا۔ اور دو زنجیر فیل اور چار توپوں کے علاوہ بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

قلعہ مہیسر کی فتح اور محمد امیر خاں کا جسونت راؤ ہلکر کو گدی نشین کرانا

ہلکر اور خان اس فتح کے بعد اس دن تو وہیں ٹھیرے رہے۔ اور دوسرے دن نربدا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ مہیسر کا مختار بھاری مل تھا۔ اس نے خوف کے مارے کشتیاں بھیجیں۔ جن پر سوار ہو کر ہلکر اور خان شہر میں داخل ہوئے۔ اور تمام مال و متاع، فیل خانہ، اصطبل خانہ، توپ خانہ، جواہر خانہ کو اپنے تصرف میں لائے۔

اس وقت خان نے ازراہِ ایثار راجہ کو مسند پر بٹھایا۔ دوسرے دن خان جب راجہ سے ملنے آئے اور راجہ کو مسند پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو مصلحتاً مسند سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ تب راجہ نے ہر چند اپنے برابر بٹھانا چاہا۔ مگر نہ مانے اور کہا کہ یہ مسند تو آپ کی آبائی ہے۔ آپ ہی کو مبارک رہے۔ میں تو مسند نشین گل کا ہوں۔

سرونج پر محمد امیر خاں کا عاملانہ قبضہ

قلعہ مہیسر کی فتح کی خوشی میں راجہ ہلکر نے ۱۷۹۸ء میں سرونج خان کے سپرد کیا۔ اور امیر الدولہ، امیر الملک شمشیر جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔ اور کثیر زر و جواہر بھی دیئے۔ تب نواب نے محمد یوسف خاں نامی جمعدار، جلال آبادی کو سرونج کا عامل بنایا۔ یہ پہلا ملکی قبضہ تھا۔ جو مالوہ کے علاقہ میں ہوا۔

اور محمد امیر خاں بحیثیت نواب اس کے مالک بنے۔ گویا یہ ملکی قبضہ آئندہ کی ریاست ٹونک کا سنگ بنیاد تھا۔ شرائط نامہ کی رو سے تمام ممالک محروسہ میں سے نصف راجہ کا تھا۔ اور نصف نواب محمد امیر خاں کا تھا۔

پس نصفا نصف مطالبہ سے بدظن ہو کر راجہ نے نواب کے ہمراہیوں کو لالچ دیکر بھگانا چاہا۔ تاکہ نواب کی طاقت کم ہو جائے۔ مگر یہ راز فاش ہو گیا۔ اور نواب اس کی خبر پاکر بہت برہم ہوئے۔ اور راجہ کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔

میجر نیگ کا مصالحت طلب کرنا

اسی اثنا میں میجر نیگ نے افغان سواروں کو اپنی سروس میں لیا۔ اور مرہٹہ سواروں کی بھرتی کر کے ایک بڑی فوج کے ساتھ ہلکر سے لڑنے کو کوچ کیا۔ ہلکر یہ خبر سن کر گھبرائے۔ اور فوراً نواب کے پاس آکر کہنے لگے۔

"حریف سر پر آ پہنچا ہے آپ کی مدد کے بغیر اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ اور اس نے کیونکہ زور پیدا کر لیا ہے اس لئے میری دانست میں مصلحت یہ ہے کہ ابھی تو اس کے مقابلہ سے ٹل جائیں پھر جب مقابلہ کی طاقت ہو گی سمجھ لیں گے۔"

نواب نے اول تو ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن پھر راجہ سے دل صاف کر کے کہا کہ میدان جنگ سے منہ پھیرنا سپاہیانہ شیوہ نہیں ہے۔ فتح خداداد ہوتی ہے۔ فوج کی کمی اور بیشی پر منحصر نہیں ہے۔ غرض کہ دونوں سردار مہم کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اور اس عرصہ میں میجر نیگ کی فوج مہیسر سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر آپہنچی نواب اور ہلکر نے جب یہ خبر پائی تو توپ خانہ کی چوکی ہر مقام پر جو مہیسر سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے، چھوڑ کر سواروں سے غنیم کو گھیرے میں لیا۔ اور اس قدر تنگ کیا کہ

میجر بینگ کی فوج دن بھر میں بمشکل تین کوس آگے بڑھ سکی۔ اور پھر راجہ کے اصرار سے رات ہی کو سوار ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اور صرف پچاس سوار لیکر دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور کائی سی پھاڑ دی۔ جس میں نواب کے سب ساتھی بجز پانچ کے سب کام آگئے۔ جب وہاں سے اپنی قیام گاہ کو آئے تو دیکھا نواب کے سپاہی غنیم سے لڑ رہے ہیں۔ اور دونوں طرف سے تیر و تفنگ چل رہے ہیں۔ اور دشمن کے کار آزمودہ سپاہیوں نے نواب کے ناآزمودہ سپاہیوں کو توپوں پر رکھ لیا ہے۔ یہ دیکھ کر نواب نے دشمن کی پشت پر پہنچ کر بہت سے سپاہیوں کو کاٹ گرایا۔ اس وقت اتفاق سے چھ سواروں کے ساتھ راجہ ہلکر بھی وہاں آگئے۔ اندھیرے میں نواب نے مہاراجہ کو غنیم سمجھ کر نیزہ تانا۔ مگر مہاراجہ نے نواب کو پہچان کر کہا "بھائی یہ تو میں ہوں" یہ سن کر اور آواز پہچان کر نواب نے فوراً ہاتھ روک لیا۔ اور دونوں میدان جنگ سے لوٹ آئے۔ مگر چند ہی قدم بڑھے تھے کہ دشمن کی فوج نے انہیں تھوڑے آدمی سمجھ کر ان پر حملہ کیا۔ تب نواب نے اپنے ہمراہیوں میں سے کچھ کو تو حملہ اور غنیم کو الجھائے رکھنے پر مامور کیا۔ اور خود بلائے ناگہانی کی طرح غنیم کے ان سپاہیوں پر جا پڑے جو آس پاس ڈیرہ ڈالنے کی فکر میں تھے۔ اس بجلی صفت حملہ سے غنیم کے لشکر میں ایسا تہلکہ پڑ گیا کہ وہ اندھیرے میں دوست دشمن کی تمیز نہ کر سکے اور پچھلی فوج نے اپنی ہی اگلی فوج پر توپیں مارنا شروع کر دیں۔

غرض مہاراجہ اور نواب اپنے بچے کھچے سواروں کے ساتھ جب بھیسر آئے تو وہاں اپنی فوج کا نشان بھی نہ پایا۔ بس قلعہ میں چند آدمی رہ گئے تھے۔ جو نہایت خائف تھے۔ تب مہاراجہ اور نواب جواہر خانہ میں گئے۔ اور وہاں سے جس قدر قیمتی جواہرات اٹھا سکے۔ باہر لے آئے۔ اور رات کو دھرم پوری علاقہ دھار میں قیام کیا پھر صبح وہاں سے کوچ کر کے بھیلوں کے ایک پہاڑی علاقہ میں جا پہنچے۔

اور بھیلوں کے سردار کو خلعت وانعام دیکر میجر بنگ کے کیمپ کی رسد بند کرانے کی تاکید کی۔ تب بھیل جوق جوق دوڑ پڑے اور کیمپوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔ پھر نواب نے میجر بنگ کے سپاہیوں کو جو زیادہ تر افغانی اور مرہٹی تھے دو چند تنخواہ کا لالچ دیکر اپنی طرف توڑ لیا۔ اس طرح میجر کے لشکر میں ہل چل سی پڑ گئی۔ آخر تنگ آکر میجر بنگ نے نواب سے کہلا بھیجا کہ تم اگر میری صفائی راجہ ہلکر سے کرا دو تو میں آجاؤں۔ اس پر نواب نے مہاراجہ سے مشورہ کیا۔ مہاراجہ نے کہا کہ دشمن کو عہد وپیمان سے بھی مارنا چاہیئے اس پر نواب نے بگڑ کر کہا کہ کس کی طاقت ہے جس کو میں امان دوں اس کی طرف کوئی ایک نظر سے بھی دیکھ سکے۔

آخر مہاراجہ نے یہ بات منظور کر لی اور دیپال پور ہوتے ہوئے موضع کونڈہ علاقہ دہار میں پہنچے۔ اور وہاں پر بنگ صاحب کو بلوایا۔ نواب اسے لینے خود مہیسر آگئے۔ جب وہاں پہنچے تو میجر خود پیشوائی کے لئے آیا۔ اور سلامی کی توپیں چھوڑ کر بڑے اخلاق سے ملا۔ اور پگڑی منگوا کر نواب کے سر پر باندھی۔ اور نواب کا رومال اپنے سر پر باندھا۔ اس طرح دونوں پگڑی بدل بھائی بن گئے۔ پھر انکو مہیسر میں لے گیا۔ اور سب کارخانہ نقد وجیس وجواہرات کا نواب کے سونپ کر، ان کے ساتھ مہاراجہ کے پاس گیا۔ نواب کی حمایت کے سبب مہاراجہ اس فرنگی سے بدل نہ سکے۔ مگر نیت اسے قید کر لینے کی تھی۔

مگر اس بدنیتی کی سزا اسی شب کو مل گئی۔ جب کہ وہ اپنے دربار میں مشعلیں روشن کرا کے، گولیوں سے نشانہ اڑا رہے تھے۔ تو اتفاق سے انکی بندوق پھٹ گئی۔ اور اس کی چوٹ سے ایک آنکھ پھوٹ گئی۔

ہلکر اور نواب کی علیحدگی

بعد ازاں مہاراجہ نے بہسر جاکر اپنا قبضہ جمایا - اور میجر بنگ کے کیمپ کو توڑکر اسے اپنے طور پر درست کیا - اور میجر بنگ کو بحال کر کے پرگنات ٹونک اور رامپورہ (علیگڈھ) کے انتظام پر بھیجا - یہ علاقہ کبھی مہاراجہ جے پور نے ہلکروں کو دیدیا تھا - پھر مہاراجہ نے لشکرِ عظیم کے ساتھ کوچ کر کے نولائی علاقہ مالوہ پر ڈیرہ کیا - اور چوتھ وصول کی - اس وقت نواب نے کہا - کہ اب دونوں فوجوں کا گذارہ ایک جگہ نہ ہو سکے گا - اس لئے مناسب ہے کہ دونوں فوجوں کو علیحدہ کر کے اپنے اپنے پرگنات کی تحصیل سے گذارہ کریں - اور جب کوئی دقت آپڑے تو شامل ہو جائیں - مہاراجہ نے یہ بات منظور کرلی - اور سنہ ۱۸۰۱ء میں دونو فوجیں علیحدہ ہو گئیں -

نواب نے اپنے بھائی کرم دین خاں کو کچھ سواروں کے ساتھ مہاراجہ کے پاس چھوڑدیا - اور خود اپنی فوج کو لیکر مالوہ سے معاملہ لیکر بیرسنہ کے راستہ سے سرونج آئے - تب یوسف خاں افغان نے جو نواب کی طرف سے سرونج کے حاکم تھے، پیشوائی کی - اور رائے ہمت رائے جو کبھی بھوپال میں قید کئے جانے پر بھاگ نکلے تھے - اور جنہوں نے اپنی ملازمتِ بھوپال کے زمانہ میں کبھی محمد امیر خاں کو نوکر رکھا تھا - حاضر ہو کر ملے - تب نواب نے ان کو مقدماتِ کلاں کی مختاری پر مقرر کر کے پرگنہ سرونج میں دو گاؤں ایک آنند پور اور دوسرا نگر دوھا انکی جاگیر میں نسلاً بعد نسلٍ اپنے دیکر سند لکھدی -

اسوقت اسی ہزار سوار اور پیدل نواب کے پاس اکھٹے ہو گئے تھے -

ابھاجی سے جنگ

نواب نے سرونج سے کوچ کر کے ماہار گڈھ کے تھانیدار سے معاملہ لیا۔ اور پھر اٹاوہ ہو کر ساگر کے علاقہ میں آ گئے۔ اور ساٹھ ہزار روپیہ وہاں سے وصول کیا۔ پھر کلاسہ پہنچکر اسی قدر رقم حاصل کی۔ کیلاسہ سے آگے بڑھنے پر دیرہ کرنی کا راجہ ابھاجی ایک جرار لشکر کے ساتھ مقابلہ آرا ہوا۔ لیکن نواب نے اس کے لشکر میں گھس کر بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ تب ابھاجی نے پسپا ہو کر شہر پناہ کی آڑ پکڑی۔ اور نواب نے دریا کے کنارے پر مورچہ لگایا۔

آٹھویں روز صبح کے وقت جبکہ نواب اپنے پھوڑے کی تکلیف کی وجہ سے مورچوں کے پیچھے پالکی میں لیٹے ہوئے تھے۔ تب ابھاجی نے توپوں اور بندوقوں سے نواب کے مورچوں پر حملہ کیا۔ نواب یہ حال دیکھ کر اسی حالت میں اٹھ بیٹھے۔ اور پھوڑے پر کپڑا باندھ کر گھوڑے پر آ بیٹھے۔ اور پانچسو سوار ساتھ لیکر دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ جس کے ڈر سے ابھاجی میدان چھوڑ کر قلعہ میں چلے گئے۔

تب نواب کا لشکر فوراً شہر میں گھس پڑا۔ اور شہر کو خوب لوٹا۔ لوٹ کا اندازہ اس فرد سے لگایا جا سکتا ہے جو ابھاجی نے پیشوا کو بھیجی تھی۔ اور جس میں تقریباً نو کروڑ کا نقصان درج کیا تھا۔ نواب نے شہر میں داخل ہو کر قلعہ پر مورچہ لگایا۔ اور ابھاجی کو تنگ کر کے دو لاکھ روپیہ کا معاملہ پھر ایا۔ اور صلح ہونے پر مورچہ ہٹا لیا۔ مگر نواب کے معتمد غلامی خان نے جو سوال و جواب کیلئے قلعہ میں ابھاجی کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک بڑے دفینہ کی خبر پاکر نواب سے کہا کہ آپ نے بہت کم روپیوں پر صلح کر لی۔ تب نواب صلح سے پھر گئے۔ اور قلعہ پر مورچہ لگا کر بڑھنے لگے۔ تب ابھاجی نے ناگپور کے راجہ

راگھوجی بھونسلہ سے مدد مانگی۔ پس بھونسلہ نے بینی سنگھ کی سر کردگی میں چالیس ہزار قلمی نوکر، پنڈاری سوار، عربوں کی فوج اور توپخانہ اپاجی کی مدد کو بھیجے۔ اتفاق سے اس وقت نواب کے پٹھان ساتھی تنخواہ کے تقاضے پر بلوہ کرکے ان سے علیحدہ ہو گئے۔

پس نواب نے اپنے بھائی کرم دین خاں کو لکھا کہ جلد مہاراجہ ہلکر کو سوندواڑہ سے لے آئیں۔ اور مہاراجہ وہاں سے کوچ کرکے دیواس تک ابھی پہنچے تھے۔ کہ رگھوجی بھونسلہ کی فوج ساگر آ پہنچی۔ اب نواب کو یہ خیال ہوا کہ میری ناموری تو جب ہے کہ مہاراجہ ہلکر کے آنے سے پہلے ہی حریف کو شکست دیدوں۔ ورنہ مہاراجہ کے شامل ہو جانے پر یہ فتح ان کے نام سے ہوگی۔

پس نواب نے دو ہزار سواروں سے ہی دشمن پر حملہ کر دیا۔ اور تیر تلوار کا مینہ برسایا۔ اس وقت حریف کی ایک پلٹن نے جو جنگ میں صف باندھے کھڑی تھی۔ یکبارگی بندوق کی ایک باڑ ماری جس سے نواب کے بہت سے رفیق مارے گئے۔ یا زخمی ہوئے اور جو نواب کے ساتھ رہے ان کی تعداد نو سے زیادہ نہ تھی اور دشمن نے انکو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور اس شدت سے مقابلہ کیا کہ نواب کا گھوڑا زخمی ہو کر نواب کو گرا کر بھاگا۔ تب نواب کے سپاہیوں نے جو نواب کے گھوڑے کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور نواب کے مارے جانے کی خبر اڑا دی۔

نواب تیروں سے زخمی ہو جانے کے بعد بھی زمین سے اٹھے اور ایک سوار کا گھوڑا لیکر اس پر بیٹھ گئے۔ مگر اس گھوڑے میں ویسی پھرتی نہ پاکر مناسب سمجھا کہ، گھمسان کے رن سے طرح دیکر باہر نکل جائیں۔ اور جونہی کہ معرکہ سے باہر نکلے تو دو تین سوار ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اپنے ڈیروں کو لٹنے سے بچانے میں مصروف

ہو گئے۔ نواب نے اس شکست کو بد عہدی کا جو انہوں نے اپھاجی سے صلح نامہ کرنے کے بعد کی تھی نتیجہ تصور کیا۔ غرض بھاگے ہوئے سپاہیوں میں شجاعت پھر عود کر آئی۔ اور لڑتے بھڑتے ایک دریا کے کنارے پر جا پڑے۔

نواب کے بھائی کرم دین خاں ابھی مہاراجہ ہلکر کے ساتھ سرونج تک ہی پہنچے تھے کہ نواب کی شکست کی خبر سنی۔ چنانچہ مہاراجہ سے الگ ہو کر معہ اپنے پانچ ہزار سواروں کے نواب کے پاس آ پہنچے۔ اور اکبر خاں وغیرہ سرداران فوج کی نمک حرامی کا حال معلوم ہو کر ان کا تعاقب کیا۔ اور انہیں مار کر واپس ہوئے۔ اس سے نواب بہت خوش ہوئے اور مہاراجہ ہلکر کو لکھا کہ گو بعض لوگوں کی نمک حرامی سے فوج بھاگ گئی تھی اور میری بھی جان پر آ بنی تھی مگر خدا نے بچا لیا۔ مگر میں نے دشمن کی فوج کا بخوبی اندازہ کر لیا ہے۔ اگر آپ کو ناگپور کے راجہ سے بدلہ لینا ہو تو اس کے لئے یہ موقع اچھا ہے۔

اُدھر مہاراجہ اس فکر میں تھے کہ نواب اگر واقعی مارے گئے ہیں تو پرگنہ سرونج کو ضبط کر لیا جائے۔ مگر اس خط کو پڑھ لینے کے بعد اس ارادہ سے باز رہے مگر ناگپور کی مہم کو اس وقت مناسب نہ سمجھا۔

پھر نواب سرونج آ کر مہاراجہ سے ملے۔ اس وقت ان کے ساتھ دس بارہ ہزار سوار اور پیادہ تھے۔

نوابؒ کے بھائی کرم دین خاں کا انتقال

چونکہ بغیر تحصیل زر کے نوابؒ کا گذارہ ممکن نہ تھا اس لئے انہوں نے سرونج سے کوچ کر کے شجاعلپور کو جا گھیرا۔ اور نواب کے سپاہی شہر کو لوٹنے کے لئے بڑھے تب کرم دین خاں انہیں روکنے کے لئے شہر میں گئے۔ مگر کسی شہر والے نے انہیں گولی کا نشانہ بنا لیا۔ کیوں کہ وہ بھی اپنی حفاظت کے لئے جا بجا لڑ رہے تھے۔

گولی سر میں لگنے کی وجہ سے کرم دین خاں نے وہیں انتقال کیا۔

اس وقت نواب قلعہ کے محاصرہ میں لگے ہوئے تھے۔ پس قلعہ کو جلد ہی فتح کر کے بھائی کی نعش پر آئے۔ اور رضائے الہی پر صبر کر کے انہیں وہیں دفن کیا اور بھائی کے عہدہ پر اپنے بھانجے کو مامور کیا۔

اس عرصہ میں مہاراجہ ہلکر نے اندور پہنچ کر اپنی شادی کی تیاری کی۔ نواب نے رائے ہمت رائے کو اپنی طرف سے اس تقریب میں شریک ہونے کو بھیجا۔ اس وقت مہاراجہ کا مزاج نواب کی طرف سے مکدر تھا۔ اور کجا کنور حاکم شجا علپور مہاراجہ کو نواب کی شکایت کر کے بدظن کر رہا تھا۔ اور کہا کہ نواب دربردہ کاشی راؤ سے ملے ہوئے ہیں۔ اور آپ کو پکڑنے کی فکر میں ہیں پس مہاراجہ کو نواب کی طرف سے شکوک بہت بڑھتے رہے۔ پس رائے ہمت رائے جب اندور پہنچے تو مہاراجہ نے ان سے پوچھا۔ کہ نواب ہمارے بلوانے پر آجائیں گے یا نہیں؟ تب رائے صاحب جنکو مہاراجہ کی گراں خاطری کا علم نہ تھا۔ کہا کیوں نہیں آئیں گے۔ پس مہاراجہ نے انہیں کو لانے کے لئے بھیجا۔

جب وہ نواب کے پاس پہنچے اور یہ حال بیان کیا تو نواب اپنی ساری فوج شجا علپور میں چھوڑ کر تین سو سواروں کے ساتھ اندور کو روانہ ہوئے۔ یہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ کجا کنور نے مہاراجہ سے کہا کہ نواب آپ کے بلوانے سے کب آنے لگا ہے۔ وہ تو شجا علپور میں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے۔ مہاراجہ نے نشہ کی حالت میں اپنے افسروں کو حکم دیدیا کہ تم فوج لیکر نواب کو بہر صورت یہاں لے آؤ۔ افسروں نے جب پہلی ہی منزل پر نواب کی سواری آتی دیکھی تو مہاراجہ کے چیلے ہرناتھ نے آگے بڑھکر سلام کیا۔ نواب نے پوچھا تم کیوں آئے ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ سرکار کی پیشوائی کو آئے ہیں۔

ان سرداروں نے جب نواب کی طرف سے کچھ بھی کجروی نہ دیکھی تو ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگے۔ نواب نے اپنی ذہانت اور فراست سے جان لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور نواب کا اپنی فوج کے ساتھ، آنا خالی از علت نہیں ہے پس نواب نے یہ سوچ کر ان کے شر سے بچنے کے لئے۔ انہیں اپنے پاس ہاتھی پر بٹھانا مناسب ہوگا۔ پس ان سے کہا کہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ میں تو ہاتھی پر بیٹھا چلوں اور تم گھوڑوں پر آؤ۔ تب یہ لوگ بھی نواب کی منشار کو تاڑ گئے۔ مگر چونکہ ابھی راز پردہ میں تھا۔ اس لیئے اس کا افشا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور نواب کی مرضی کے مطابق ہودج میں بیٹھ گئے۔ اور نواب کے سوار حلقہ باندھ کر چلنے لگے۔

نوابؒ کی دلیری

نواب کی سواری جب اس طرح سے اندور کے قریب پہنچی تو ملازمین نے دوڑ کر مہاراجہ کو خبر کر دی۔ مگر مہاراجہ چپ رہے۔ اور پیشوائی کو حسب معمول نہیں آئے۔ اس وقت کجا کنور بھی مہاراجہ کے ساتھ تھے۔ تب انہوں نے نواب سے کہا۔ کہ تم نے شجاعلپور میں اتنی زیادتی کیوں کی۔ تب نواب نے کہا۔ کہ میں نے اپنی تلوار کے زور سے کی۔ کجا کنور، شجاع الپور کے لٹنے سے جلے بھنے تو بیٹھے ہی تھے۔ کمر سے چھری نکال کر بولے جو مجھ سے بدزبانی کرے تو میں چھری اس کے پہلو سے حلق میں اتار دیتا ہوں۔ اس جواب کو سن کر نواب بھی جھلا گئے۔ اور اس پر جھپٹے۔ مگر مہاراجہ کے بعض صلح پسند افسر درمیان میں آ گئے۔ اور شیام راؤ ماڈی نے مہاراجہ کو سر دربار ملامت کی اور کجا کنور کو ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا۔ اور نواب کو اپنے ڈیرے پر چلے جانے کو کہا۔ گو اس وقت

مہاراجہ نے شیام راؤ کی فہمائش سے عذر خواہی کی مگر وہ بدظنی طرفین سے رفع نہ ہوسکی پھر مہاراجہ نے اپنے دو کیمپ نواب کے ڈیرے کے پاس گڑوا دیے۔ اور نواب سے بے وفائی کی سوچی۔ جب چار پانچ دن اسی طرح گذرے تو ایک دن نواب نے کچھ سوچکر مہاراجہ کے ڈیرے میں تنہا جانا ضروری سمجھا۔

اطلاع ملنے پر مہاراجہ نے فوراً بلوالیا۔ تب نواب نے کہا۔ مجھے آپ سے تخلیہ میں کچھ کہنا ہے۔ تب مہاراجہ نے اور لوگوں کو ہٹاکر خلوت کی اور ایکدم بائیں ہاتھ سے مہاراجہ کا کمر پٹکا پکڑلیا۔ اور بغلی سے کٹاری دائیں ہاتھ میں لیکر کہا۔ اپنی بدگمانی اسوقت رفع کرلو۔ اگر میرے مار ڈالنے سے آپ کا عروج ہوتا ہو، تو مجھے ابھی مار ڈالو۔ لیکن اگر دشمن کے بہکانے سے آپ خواہ مخواہ میری جان کے درپے ہو تو میں آپ کو مارے ڈالتا ہوں۔ یہ سنکر مہاراجہ نے معذرت کے ساتھ دل صاف کرلیا۔ اور دونوں نے از سر نو عہد و پیمان کیا۔ اور کئی جنگوں میں نواب نے سندھیا کے مقابلہ میں ہلکر کا ساتھ دیا۔

ہلکر اور نواب کی سندھیا سے جنگ اور اجین کی فتح

جب ہلکر نے پائیوں کو سندھیا کے خلاف اکساکر لوٹ مار مچائی تب بلونت راؤ بانکرطہ اور جورس صاحب فرنگی کو مہاراجہ ہلکر نے نواب کی مدد سے شکست دی۔ اور اجین کو خوب لوٹا۔ تب سندھیا بہت جھلائے۔ اور خود کوچ کرکے نربدا تک چلے آئے۔ اور وہاں پھر اپنے سب کیمپوں کی زیرابدی صاحب کا کیمپ، سنلج صاحب کا کیمپ، مسکیل صاحب کا کیمپ اور جینو خل و کریم خاں

پنڈاروں کا گروہ) تعداد کا شمار کیا تو کل جمعیت تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ جو ہلکر کے مقابلہ میں سدا شیو راؤ اور سرجی راؤ کی افسری میں بڑھی۔ جب یہ فوج نربدا سے اتر کر اجین کے قریب پہنچی تو ہلکر نے نواب کو معہ پندرہ ہزار منتخب سواروں کے ہراول کر کے غنیم کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ اور آپ خود معہ بیس ہزار جری سواروں کے وہیں ٹھیرے رہے۔ نواب نے مصلحت وقت سمجھ کر اجین میں قیام کیا اور ایک ہفتہ تک سندھیا کی فوج سے جنگ قراولی کر کے مہاراجہ ہلکر کو لکھا۔ کہ دشمن کی فوج بہت ہے آپ بھی اگر شامل ہو جاؤ تو دشمن کو دبالیں گے۔ تب مہاراجہ ہلکر نے فوراً کوچ کیا۔ اور دونوں نے مل کر دشمن کو ایسا دبایا۔ کہ وہ آگے بڑھنے سے مجبور ہو کر آمادۂ جنگ ہوئے۔ ایک طرف تو ہلکر کی فوج لڑ رہی تھی اور دوسری طرف نواب کی۔ مگر مہاراجہ نے غلطی یہ کی کہ نواب کی اطلاع کے بغیر سرجی راؤ پر حملہ کر دیا۔ اور اس نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر مقابلہ میں اسقدر کوشش کی کہ مہاراجہ کی فوج کو پسپا کر دیا۔ اور توپیں چھین لیں۔

نواب یہ سن کر دوڑے ہوئے مہاراجہ ہلکر کی مدد کو آئے۔ اور غنیم سے ان کا توپخانہ واپس چھین لیا۔ غرض پانچ روز تک جنگ قراولی ہوتی رہی۔ اور چھٹے روز مہاراجہ ہلکر نے نواب کی صلاح سے نقشۂ جنگ از سر نو جمایا۔ لڑائی دوسرے ہی دن صبح ہی سے شروع ہو گئی۔ اور دن بھر جاری رہی۔

سرجی راؤ اور براونڈی صاحب کے لشکر نے مہاراجہ ہلکر کے لشکر کو پیچھے دھکیل دیا۔ تب نواب اپنے لشکر سے جدا ہو کر صرف تین سو سواروں کے ساتھ ہلکر کی مدد کو پہنچے۔ تب دشمن نے گولے اور چھرے مارنا شروع کئے جس سے نواب کا گھوڑا چمکا۔ اس کا نام برچھی بہادر تھا۔ یہ گھوڑا زخمی ہو کر گرا اور مر گیا۔ تب نواب کے بھانجے صالح محمد خاں نے اپنا گھوڑا نواب کو دیدیا۔ گھوڑا بدلنے کے وقفہ میں نواب کے سوار دو چھ

یہ شبہ ہوا کہ نواب مارے گئے - اور پھر وہ بھاگ نکلے - مگر پھر بھی حملہ کر کے نواب نے مہاراجہ کی پینتیس ۳۵ توپیں چھین لیں - اس وقت تک دو گھڑی رات چلی گئی تھی اس لئے ہلکر اور نواب اپنے خیموں پر چلے گئے -

دوسرے دن نواب نے مہاراجہ کو بہت پریشان دیکھا تو سبب پوچھا - تب انہوں نے کہا کہ ہماری اور تمہاری گذر مالوہ میں اس وقت تک تھی، جب تک کہ مہاراجہ سندھیا دکھن میں تھے، اور اب جو وہ یہاں آگئے ہیں تو اپنا سینگ سماتا ہوا نظر نہیں آتا ہے - نواب نے کہا کہ آپ اندیشہ مت کرو - میں اسکی تدبیر کر سکتا ہوں - جب مہاراجہ ہلکر نے پوچھا - کہ کیا کرنا چاہیئے - تو نواب بولے کہ کچھ عرصہ کے لئے لڑائی سے طرح دیکر یہاں سے چل دینا چاہیئے - غرض دوسرے ہی دن زنلام کی طرف کوچ کر دیا - اور مہاراجہ سندھیا کے علاقوں کو لوٹتے ہوئے ریاست دھار کے ایک قصبہ سے معاملہ لیا - اور وہاں سے چلکر شہر زنلام - جو سندھیا کے قبضہ میں تھا لوٹا - وہاں بہت سا سامان اور زر و جواہر ہاتھ لگا جس سے فوج مالامال ہوگئی - پھر جاورہ کے علاقہ میں جاکر نیمچ کے پاس قیام کیا - بعدہٗ مہاراجہ ہلکر اور نواب اندور لوٹ آئے -

اس عرصہ میں مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نے کریم خاں اور چیتو خاں سرداران پنڈاری گروہ کو اجین سے بلاکر نواب کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا - اور انہوں نے اندور پہنچ کر مہاراجہ ہلکر اور نواب امیر خاں کی فوجوں کو گھیر لیا - اور اسقدر تنگ کیا کہ وہ اندور چھوڑ کر سمرور کے گھاٹ پر چلے گئے - پنڈاروں نے تعاقب کر کے وہاں بھی انہیں مغلوب کیا - تب مہاراجہ ہلکر نے نواب امیر خاں کو پنڈاروں کی مدافعت پر بھیجا - پنڈاروں نے نواب کی آمد سن کر انہیں راستہ ہی میں آگھیرا - مگر نواب کی فوج نے انہیں مار بھگایا - تب مہاراجہ ہلکر اور نواب اطمینان سے اندور لوٹے -

اور پھر وہاں سے چل کر، دھار، امجیرہ، جھابوہ اور بڑناب گڈھ سے معاملہ لیتے ہوئے جاورہ اور نیماہیڑہ آگئے۔ اور چند روز وہاں ٹھیر کر سری ناتھو دوارہ پہنچے اور وہاں سے پچاس ہزار روپئے وصول کئے۔

تب مہاراجہ سندھیانے ایک جرار لشکر پھر تیار کیا۔ جس کے سردار بالا راؤ، سدا شیو راؤ، کریم خاں، جیتو خاں اور شیخ کلب علی اور والیس صاحب فرنگی تھے۔ جب یہ لشکر مہاراجہ ہلکر سے لڑنے کو قریب آپہنچا تو ہلکر نے ان سے لڑنا مناسب نہ سمجھ کر شاہ پور سے معاملہ لیتے ہوئے ٹونک آپہنچے۔ جین سنگھ جو سندھیا کی طرف سے ٹونک کی حفاظت پر مامور تھا بھاگ کر رام پورے میں چلا گیا۔ پھر مہاراجہ ہلکر اور نواب، اندر گڈھی راہ سے کوٹہ پہنچے اور وہاں سے باڈولی، چھرڑہ، گوگور، راج گڈھ اور پاٹن سے معاملہ لیتے ہوئے آشٹہ آپہنچے۔ اور وہاں سے نواب تو خاندیش جانے کا ارادہ کیا۔ اور ہلکر نے چاندرہ کا۔ گویا دونوں سردار پھر الگ ہوگئے۔

نواب خاندیش کے علاقہ میں پہنچکر جب آنجور آئے تو وہاں کا سردار مقابلہ پر آگیا۔ تب نواب نے ہاتھی پر سوار ہوکر، اس کا مقابلہ کیا۔ اور بر سرِ سواری ہی اسے مار ڈالا۔ اور شہر آنجور پر قبضہ کر کے بہت سا سامان لوٹا۔ اور پھر وہاں سے آگے بڑھکر اورنگ آباد کے علاقے سے جزیہ لیا۔ اور بھمبر پہنچے۔ پھر وہاں سے ضبطی لیکر دیوگاؤں کو لوٹا۔ مگر جب سندھیا کا لشکر اور نظام حیدر آباد کا لشکر نواب کے تعاقب میں قریب آپہنچا تو نواب نے تنہا ان کے مقابلہ سے طرح دی اور بھمبر کو لوٹ آئے۔ اور پھر وہاں سے اورنگ آباد کے پاس ہوتے ہوئے وادی سینکورہ کو جو دریائے گوداوری پر واقع ہے۔ آئے۔ اور ضبطی لی۔ وہاں کے ایک باشندہ نے نواب کو خبر دی کہ اس مقام کے قریب بہت سا مال گڑا ہوا ہے۔ اور میں وہ جگہ جانتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ اس مال میں مجھے بھی شریک کریں تو بتلاؤں۔

نواب نے اس بات کو منظور کر کے محمد شاہ خاں اور غلامی خاں معتمدوں کو اس کے ساتھ بھیجا۔ وہاں انہوں نے ایک پرانی دیوار میں طاق دیکھا جب اسے توڑا تو ایک دروازہ پر نظر پڑی۔ پھر مشعل روشن کر کے جب اس میں سے گذرے تو ایک زینے پر پہنچے اور سیڑھیوں سے نیچے اترے تب ایک کوٹھری نظر آئی جب اس کا دروازہ توڑ کر اندر گئے تو وہاں بڑے بڑے ماٹ چونے سے منہ بند کر کے رکھے ہوئے تھے۔ ایک ماٹ کو جو توڑا گیا تو اس میں سے سانپ کے انڈے اور بچے نکلے۔ تب یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ خزانہ مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ اور سانپوں کی پرورش گاہ بن گیا۔

وہاں سے چل کر پیشوا کی عملداری میں گائے گانوں اور نولگاہ پہنچے۔ یہ شہر ندی کے کنارے پر آباد تھے۔ تب نواب نے شہر والوں کو دھوکہ دیکر کشتیاں حاصل کیں۔ اور کئی چکروں میں ساری فوج دریا پار اتار دی۔ تب نواب کی فوج نے شہر پر قبضہ کر کے مال واسباب، زروجواہر اور نقد وجنس خوب لوٹا۔ پیچھے سے ناگوجی پنڈت اور نواب سنہامنخاں ملازمین ہلکر بھی وہاں آپہنچے۔ اور شہر کا بچا کھچا سامان ان کے ہاتھ لگا۔ پھر نواب اور پنڈت نے کوچ کر کے نرائن گڈھ کے قریب ڈیرہ کیا۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ نواب نے اس پر گولے مارنا شروع کئے اور جلد ہی قلعہ خالی کرالیا۔ اور وہاں کی توپیں لے کر دوسرے ہی دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ راستہ میں سندھیا کا پچیس ہزار سواروں کا لشکر مقابلہ پر آپہنچا۔ انکی ٹکر پہلے ناگوجی پنڈت جی اور شہامت خاں کی فوج سے ہوئی۔ جس کو کئی گھنٹے تک لڑ کر شکست کھانا پڑی۔ سندھیا کی فوج پھر اس شکست سے سرشار ہو کر نواب پر حملہ آور ہوئی مگر نواب جمشید خاں اور محمد سعید خاں نے جو چالیس یکہ سوار دین تھے۔ حملہ آوروں کو روکا۔ لیکن پھر بھی دشمن نواب تک پہنچا۔ اور لڑائی گھمسان کی شروع ہوگئی

آخر سندھیا کا لشکر بدحواس ہو کر بھاگ نکلا۔ اور بمشکل ندی پار کر کے اپنے ڈیروں تک آیا۔ مگر پھر بھی نواب کے سواروں نے ندی پار کر کے ان کا تعاقب کیا۔ اور شام ہو جانے پر اپنے ڈیرے پر لوٹے۔

پونا کی فتح

۱۸۰۲ء میں مہاراجہ ہلکر اور نواب نے سندھیا سے لڑنے کے لئے پونا پر چڑھائی کی۔ کیوں کہ پیشوا اسوقت سندھیا کی زیر نگرانی تھے۔ چنانچہ دونوں سردار کوچ کر کے پنڈل پور پہنچے۔ اور وہاں سے چل کر موضع جرجری میں قیام کیا۔ جو پونا سے دس کوس شمال میں ہے۔ اور وہاں سے مہاراجہ ہلکر نے پیشوا کو لکھا۔ کہ جب آپ کے نزدیک سندھیا اور ہم برابر ہیں تو یہ بات آپ کی خاوندی میں سے بعید ہے کہ ایک سے موافقت رکھیں۔ اور دوسرے کو بدخواہ سمجھیں۔ بلکہ شایان بزرگی تو یہ ہے کہ دونوں کو سمجھا کر صلح صفائی کرا دیں یا پھر کسی کو بھی پناہ نہ دیں۔ اور ہمارے جھگڑوں سے بے تعلق ہو جائیں۔

مگر پیشوا نے بپاس خاطر سندھیا کے، ہلکر کی تحریر پر کچھ دھیان نہیں دیا۔ اور نہ اس بات پر ہی توجہ کی کہ دونوں میں صلح کرا دیں۔

مہاراجہ ہلکر جرجری سے روانہ ہو کر شہر ٹوٹ میں آئے اور وہاں سے پھر باجی راؤ پیشوا کو لکھا۔ لیکن کچھ سودمند نہ ہوا۔ اور ہوتا بھی کیسے جبکہ قدرت نے ایک نظام کو ختم کر کے دوسرے کو اقتدار پر لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ نزاع رفع نہ ہوا۔ اور فساد کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ اس وقت پونا میں ایک لاکھ فوج تو سندھیا کی پڑی تھی۔ اور پیشوا کی فوج اس کے علاوہ تھی۔ دوسری طرف ساٹھ ہزار فوج تو ہلکر کے ہمرکاب تھی اور نواب کی فوج اس کے علاوہ۔ آخر مغربی گھاٹ پر،

جہاں مانسونی بادل ٹکراتے ہیں - اب انسانوں کے دل ٹکرائے - اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں ۔

مہاراجہ ہلکر نے اپنی صفوں کو اس طرح جمایا کہ اپنی خاص فوج کو وسط میں رکھا - اور اسکی کمان فتح سنگھ کو دی - ناگوجی پنڈت اور نواب شہامتخاں کو داہنے ہاتھ پر جمایا - اور نواب امیر خاں کی فوج کو بائیں ہاتھ پر قائم کیا - اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر، بلکہ سواروں کی فوج کے پیچھے بطور کمانڈر کے رہے ۔

باجی راؤ پیشوا نے شیخ کلب علی کی فوج اور وائیس صاحب کی فوج کو معہ توپخانہ خاص کے ہراول کر کے داہنی صف پر مستحکم کیا - اور سندھیا کے سواروں کو بخشی سداشیو راؤ کی افسری میں بائیں ہاتھ کھڑا کیا - غرض کہ دونوں طرف سے توپیں داغی جانے لگیں - اور تجربہ کاری کی بنا پر سندھیا کی فوج نے ہلکر کی ناتجربہ کار فوج کو دبا لیا - اور ہلکر کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا - مگر نواب نے اس وقت استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا - اور بانڈی توپوں سے جو کہ نشان کے ہاتھی سے آگے تھیں ہلکر کی فوج کا تعاقب کرنے والوں پر زنجیری گولے مارے جس کی وجہ سے ہلکر کی فوج ہلاکت سے بچ سکی ۔

پھر نواب معہ جمشید خاں وغیرہ سرداروں کے آگے بڑھے اور مہاراجہ ہلکر سے کہا - کہ میں سیدھا دشمن کی فوج پر جاتا ہوں - اور تم بائیں طرف حملہ کرنا - چنانچہ نواب سیدھے دشمن پر سمٹے - راستہ میں ناکھڑی نام کی ایک پایاب ندی عبور کرنا پڑی - انکی فوج ابھی ندی عبور نہ کر پائی تھی کہ دشمن نے چھرے برسائے اور چند چھروں سے نواب کے گھوڑے کی کلغی اڑ گئی جس سے وہ گر پڑا - پس نواب نے فوراً دوسرا گھوڑا بدل لیا - اور جیسے تیسے ندی پار کی - ادھر مہاراجہ ہلکر کے مٹھی بھر جانباز مثل بپھرے ہوئے شیر کے دشمن پر ٹوٹ پڑے

اور برق صفت واروں سے مخالف صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ یہاں تک کہ مخالف فوج بھاگ نکلی۔ تب کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا گیا۔

سندھیا کی ایک فوج کا یہ حال دیکھ کر سندھیا کے توپخانہ نے گولے مارنا شروع کر دیا۔ مگر مہاراجہ ہلکر نے گولوں کی بھی پرواہ نہ کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اور جو سوار کہ دشمن کی فوج پر سب سے اول پہنچا۔ وہ خود مہاراجہ ہلکر ہی تھے۔ اور پھر سب توپخانہ پر قبضہ کر لیا گیا۔

ندی پار کر لینے پر نواب نے دیکھا کہ صرف چند سوار رفاقت میں رہ گئے ہیں اور ندی کے دوسری جانب قریب ہی بھینول کے پانچسو مانگری سوار کھڑے ہوئے ہیں۔ جو پہلے وائیس صاحب اور شیخ کلب علی کے کیمپ کے برابر جمع کھڑے تھے۔ تب انہوں نے سب سے پہلے مہاراجہ ہلکر پر حملہ کیا۔ مگر نواب نے بھی دوسری سمت سے ان پر حملہ کر دیا۔

تب دو سو سوار جو شجاعت اور دلاوری میں یکتا تھے اور جن کا جسم زرہ بکتر میں چھپا ہوا تھا۔ غول سے نکل کر نواب کے مقابلہ پر آئے اور سپاہ گری کے کرتب دکھانے لگے نواب ان پر طرح طرح سے نیزہ کا وار کرتے تھے مگر انکی داؤدی زرہ میں خط تک بھی نہ پڑتا تھا۔

تب نواب نے بخشی اعظم خاں کو اشارہ کیا۔ اور حکم پاتے ہی بخشی نے مثل شیر مست کے حملہ کر دیا۔ اور تلوار کے ایک ہی وار میں ایک سوار کا سر اڑا دیا۔ مگر دوسرے سوار نے نواب سے جنگ جاری رکھی۔ تب نواب نے دیکھ لیا تھا کہ اسکی کمر کے اوپر دو چار انگل جگہ زرہ سے خالی ہے۔ تب نواب نے بخشی سے کہا کہ اسے مغالطہ دیکر اپنے مقابلہ پر لے آؤ تاکہ میری طرف اس کی پشت ہو جائے پس بخشی نے جونہی اس کا رخ اپنی طرف پھرا نواب نے فوراً اس کی کمر پر نیزہ مار کر اس کا

کام تمام کر دیا - اور پھر صرف آٹھ رفیقوں سے حریف کے ہجوم میں گھس کر تلواروں سے کائی سی چھانٹ دی۔ انکے بھاگتے ہی سندھیا کی وہ فوج جو ہلکر سے توپ اور بندوق سے لڑی تھی۔ بھاگ نکلی۔ تب ہلکر اور نواب کے وہ سپاہی جو پہلی شکست سے ابتک گوشوں میں لگے ہوئے تھے۔ ادھر اُدھر سے دوڑ پڑے اور وائیس صاحب فرنگی کا سر کاٹ کر فتح کا نشان اڑاتے ہوئے پونا لوٹنے کو چلے۔ جب پیشوا میدان چھوڑ کر چلے گئے تو مہاراجہ ہلکر مع نواب کے فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے پونا میں داخل ہوئے۔ اور فوراً لوٹ کی موقوفی کا حکم دیا۔ اور شہر کی حفاظت کے لئے ہر گلی اور کوچہ میں چوبداروں کو تعینات کر دیا۔

اس کے بعد مہاراجہ ہلکر نے پیشوا کے پاس اپنے دو چار مرہٹہ معتمدوں کو روانہ کیا۔ تاکہ وہ عجز و نیاز اور عذر و معذرت سے پیشوا کو سمجھا کر لے آئیں۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر ہر چند ہلکر کی طرف سے درخواست مراجعت کی مگر پیشوا نے ان التجاؤں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ بلکہ بدگمانی سے اسے دغا ہی سمجھتے رہے۔ لیکن نواب امیر خاں نے لکھا کہ اگر تم اپنے عہد و پیمان سے میرا اطمینان کرا دو تو میں پونا آسکتا ہوں۔

نواب یہ رقعہ لیکر مہاراجہ کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنے ہاتھ کے زخم کو جو دشمن کی توپیں چھینے میں لگا تھا۔ سینک رہے تھے۔ نواب نے وہ رقعہ مہاراجہ کو دکھلایا۔ تو انہوں نے اس بات کو غنیمت جان کر نواب سے کہا تم اس کے جواب میں پیشوا کو دلجمعی لکھدو۔ ان سے صلح ہو جانے پر بندیل کھنڈ کا ملک جو ایک کروڑ کی جمع کا ہے۔ تم کو دلادونگا۔ نواب نے کہا کہ میں سرمینت کو اپنی حفاظت میں یہاں لاؤنگا تو بہر حال انکی حفاظت کرنا اپنے اوپر لازم جانوں گا۔ مہاراجہ نے کہا کہ ملک داری کے معاملہ میں مصلحت اور فریب ہی سے کام نکلتا ہے۔

تب نواب نے یہ بات منظور نہ کر کے، پیشوا کو اس رقعہ کی پشت پر لکھ بھیجا کہ۔ آپ دونوں کے خانگی معاملہ میں ہم غیر کف لوگوں کا دخیل ہونا مصلحت نہیں ہے۔ پیشوا نے اس جواب سے مدعا کی تہ کو پہنچ کر اس وقت وہاں سے کوچ کر دیا۔ اور فوج کو جواب دیکر نو ہزار سوار مانگڑی اور اٹھارہ ہزار پیادہ بندوقچیوں کے ساتھ قلعہ ماڈہ میں قیام کیا جو ملک کوکن میں سمندر سے ملا ہوا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ ہلکر نے اس بات میں اپنی مطلب برآری نہ سمجھ کر نواب کو امرت راؤ پیشوا کے لانے کیلئے بھیجا۔ یہ رگھناتھ راؤ پیشوا کے ولیعہد تھے۔ اور پونا کے قریب قلعہ جنیر میں رہتے تھے۔ اور انہوں نے پہلے سے پونا میں مسند نشین کرا دینے کے انجام پر مہاراجہ کو ایک کروڑ کا ملک اور دو کروڑ نقد دینے کا پختہ اقرار لکھدیا تھا۔ غرض نواب کے دلاسہ دینے پر، وہ پونا میں آگئے۔ امرت راؤ جونہی کے پونا کی مسند پر بیٹھے انگریزوں کے ایلچی کلوس صاحب نے جو پہلے سے باجے راؤ کے پاس پونا میں رہتے تھے۔ رخصت مانگی تھی۔ کیوں کہ امرت راؤ کی مسند نشینی سے جو انگریزوں کی منشاء کے خلاف تھی رضا مند نہ ہوئے۔ ہلکر نے تو ان کی رخصت منظور کرلی۔ لیکن نواب نے کہا کہ کلوس یہاں سے چلے گئے تو انگریزوں کی فوج باجے راؤ پیشوا کی مدد کو ضرور آئے گی۔ کیونکہ پیشوا کی انگریزوں سے دوستی قدیمی ہے۔ اور جب انگریزی فوج آگئی تو اپنا کام بگڑ جائیگا۔ غرض نواب صاحب کے اصرار سے ہلکر اور امرت راؤ پیشوا نے کلوس صاحب کا چلا جانا خلافِ مصلحت سمجھ کر معاملہ کو تعویق میں ڈالا۔

اب ہلکر نے امرت راؤ سے ان کے وعدوں کا تقاضا شروع کیا۔ تب امرت راؤ نے ایک کروڑ روپئے تو پونا کی ضبطی سے تحصیل کر کے ان کو دیا۔ اور باقی کے واسطے کہا کہ جب باجے راؤ پیشوا کو قلعہ ماڈہ سے نکال دوگے۔ یا یہاں پکڑ لاؤ گے تو وعدہ ایفا کیا جائیگا۔ کیوں کہ جب تک باجے راؤ موجود ہے فتنہ و فساد کی جڑ

قائم رہے گی۔ غرض بڑی غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ اس مہم کو نواب کے سپرد کر دیا جائے۔ پس ایک ہزار سوار اور چار سو پیادوں کے ساتھ نواب نے کوچ کیا پہاڑی راستوں اور گھنے جنگلوں کے سبب دور دراز تک پیدل چل کر آخر اس قلعہ کے نیچے پہنچے۔ جہاں باجے راؤ پیشوا مقیم تھے۔ اور پہاڑی ناکوں پر ان کے بندوقچی دبے ہوئے تھے۔ پس اس علاقے کے معمر باشندوں کو ملا کر ایسے چور راستوں کا پتہ لگالیا کہ، جسکے ذریعہ سے قلعہ تک پہنچا جا سکے۔ مگر اس آدھ کوس کی بلند گھاٹی پر اس راستہ سے بھی چڑھنے کے لئے درختوں کی ٹہنیاں ٹٹولنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ غرض شام ہونے سے پہلے ہی نواب کے بندوقچی جنگلوں اور پہاڑوں کے دشوار گذار مقامات کو طے کر کے وہاں جا پہنچے۔ اور رات بھر گھات میں بیٹھے رہے۔ مگر صبح ہوتے ہی جونہی کے نواب نے نقارہ بجا کر پہاڑ کی بلندی پر بندوقوں کی باڑ ماری اور حملہ کیا تو محصورین اندر سے نکلے۔ اور چار غول ہو کر گذر بانوں پر بندوقیں ماریں جس سے گھبرا کر پیشوا معہ اپنے قبائل کے کچھ جمعیت کے ساتھ وہاں سے بھاگ نکلے۔ اور جرہ کے مضبوط قلعہ میں چلے گئے۔ اور باقی فوج کو جو تقریباً اٹھارہ ہزار کی تھی جواب دیکر قلعہ میں چھوڑ گئے۔ ان میں علی بہادر کا بیٹا شمشیر بہادر بھی تھا۔ اس نے اپنے تعلقات کا اظہار کر کے نواب سے کہلوایا کہ اگر میرے باپ کی دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے ہم سے مزاحمت نہ کریں۔ تو ہم اس قلعہ سے نکل جائیں۔ نواب نے اپنی قلیل جمعیت کے پیش نظر اس بات کو عین اپنے فائدہ کی سمجھ کر کہلا بھیجا کہ تمہارے باپ کی دوستی کی خاطر ہمیں یہ بات منظور ہے۔ پس فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اور اپنے رفقاء کو بھی اپنے ساتھ لیجاؤ۔ اس لئے شمشیر بہادر مطمئن ہو کر معہ اپنے کل سو سواروں کے وہاں سے نکل گیا۔ اور وہ مضبوط قلعہ بغیر لڑائی کے نواب کے ہاتھ آگیا۔

نواب نے پندرہ دن وہاں قیام کرکے بلجے راؤ پیشوا کو لکھا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو مہاراجہ ہلکر سے میں آپ کی صفائی کرا دونگا۔ اور آپ کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔

پیشوا نے اس رقعہ کو چاک کرکے نواب کو کہلا بھیجا۔ کہ

"لو میں تو جاتا ہوں۔ اور ملک نہ اپنے لئے رکھتا ہوں نہ اوروں کے لئے"

یہ کہہ کر وہ توجہاز میں بیٹھے۔ اور اپنے اہل وعیال کو وہیں چھوڑ کر تری کے راستہ سے دلزلی کے پاس بسین جا پہنچے۔ ادھر کلوس صاحب بھی پیشوا کے پونا چھوڑ دینے کے بعد ہی، پونا سے روانہ ہو کر بسین جا پہنچا تھا۔ غرض باجے راؤ نے انگریزوں کو روپیہ میں چھ آنے دینا قبول کرکے جنرل دلزلی کو اپنی رفاقت پر آمادہ کرکے انگریز فوج کے ہمراہ پونا کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں ہلکر اب تک جمے ہوئے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ جنرل دلزلی اپنی بائیس پلٹنوں کے ساتھ پونا کے لئے روانہ ہو چکا ہے اور دوسری طرف سے سندھیا اور بھونسلہ کی متفقہ افواج پونا پر چڑھائی کے لئے حرکت میں آچکی ہیں۔ ہلکر نے اپنے مقابلہ کی تاب نہ پاکر ٹل جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور امرت راؤ پیشوا سے جو کچھ وصول ہو سکا لیکر فوراً اورنگ آباد چلے آئے۔

انگریزوں اور نظام کی متفقہ افواج سے نواب محمد امیر خان کا مقابلہ

جب ہلکر پونا سے روانہ ہوئے نواب محمد امیر خاں جنگل ہیر کی طرف تحصیل خراج میں معروف تھے۔ اس وقت کرنیل دلزلی اپنی بائیس پلٹنیں لیکر ان کے

قریب آپہنچا۔ ادھر سے نظام علی خان نواب حیدرآباد دکھن کی فوج بھی آپہنچی۔ اور دونوں سے نواب قرادبی کی جنگ چھڑ گئی۔ ادھر سندھیا اور بھونسلہ کی متحدہ افواج سے ہلکر اورنگ آباد میں گھبرا اٹھے۔ اور نواب کو مدد کے لئے بلوایا۔ نواب نے ہرچند موقع کی نزاکت سمجھائی اور اپنی اپنی جگہ جمے رہنے کو لکھا۔ مگر ہلکر نہ مانے اور نواب کو جلد آجانے کی تاکید کی۔

آخر نواب جب اورنگ آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہلکر نے دس لاکھ روپیہ اورنگ آباد سے وصول کر لیئے ہیں۔ تب دریافت کرنے پر نواب کو چار لاکھ دینے کا وعدہ کیا لیکن نقد ایک لاکھ ہی دیا۔ اور بقیہ تین لاکھ کے لئے نواب سورت اور مسافر شاہ تکیہ دار کی جائیداد سے وصولی بتادی۔ کچھ دن وہاں قیام کر کے نواب نے فقیر سے روپیہ لینا مناسب نہ سمجھا۔ اور اسے معاف کر دیا۔ ادھر نواب سورت کی والدہ نے کچھ اشرفیاں کچھ سونا اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا زیور بھیج کر کہلا بھیجا کہ جو کچھ اب باقی ہے وہ بھی جلد بھجوادیں گے۔ اس پر نواب نے زیورات تو لوٹا دیئے اور بقایا کے لئے کہلا بھیجا کہ میں نے معاف کر دیا۔

جب کرنیل دلزلی اورنگ آباد کے قریب آگیا تو ہلکر چاندواڑہ جا چکے تھے۔ اور نواب امیر خاں کے لئے نواب نظام علی خاں نے دلزلی کو لکھا۔ کہ ہلکر کا تدارک کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن ان پٹھانوں کی استحصال ضروری ہے" تم ان کے سرگروہ محمد امیر خاں کو اپنی طرف ملالو۔ اور جس قدر ملک و مال طلب کرے دیدو"۔

بس کرنیل دلزلی نے اس کام کو انجام دینے کے لئے نظام کے مختار مشیر الملک کو لکھا۔ اور مشیر الملک نے نواب کے خاص معتمد غلامی خاں سے گفتگو کی۔ اور غلامی خاں نے نواب سے کہا۔ تب نواب نے مرزا رحیم بیگ کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ کہ اگر مصالحت منظور ہے تو اپنی اپنی پیش قدمی کو روک دو۔ ورنہ میں صلح پر آمادہ نہیں

ہو سکتا۔ کیونکہ تمہارے آگے بڑھنے کے بعد صلح کرنے سے یہ لوگ شبہ کریں گے کہ نواب نے دب کر صلح کر لی ہے۔ اس عرصہ میں کرنیل دلزلی کی طرف سے ایک انگریز ساڑھ لاکھ روپیہ کی ہنڈیاں لے کر نواب کے پاس پہنچا۔ اور اس کے علاوہ ایک کروڑ آمدنی کے ملک اور اٹھارہ لاکھ روپیہ نقد کی پیش کش نظام دکھن کی طرف سے بھی پہنچی۔

نواب نے وہ ہنڈیا لے کر کہا کہ میں اس بارے میں اول مہاراجہ ہلکر سے مشورہ کرونگا۔ پس اورنگ آباد سے روانہ ہو کر نواب چاندور پہنچے۔ اور ہلکر سے سب حال بیان کیا۔ ہلکر نے کہا یہ سب دشمن کا فریب ہے۔ دھوکہ نہ کھانا۔ اس پر نواب نے مسکراکر ہنڈیاں اپنی جیب سے نکالیں۔ اور ہلکر کے سامنے ڈالدیں۔ تب ہلکر اس واقعہ کی اصلیت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس وقت نواب نے کہا کہ اگر تم سے جدا ہو کر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ملے تو مجھے منظور نہیں ہے۔ اور یہ کہکر وہ ہنڈیاں چاک کر ڈالیں۔

ہندوستانی لیڈروں کی انگریزوں کے خلاف مصالحت

ہلکر، سندھیا اور بھونسلہ نے جب یہ سنا کہ باجے راؤ پیشوا انگریزوں کی فوج لے آیا ہے تو انگریزوں کے ان دشمنوں کو بہت طیش آیا۔ اور سب نے علیحدہ علیحدہ نواب کو لکھا۔ کہ ہم تم متفق ہو جائیں۔ اور آپس کی رنجش بھلا کر انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالدیں۔ اس پیغام کو نواب نے بھی پسند کیا۔ اور پانچ سردار یعنی سندھیا، بھونسلہ، گلئے کواڑ ہلکر اور نواب امیر خاں کا عہدنامہ ہو گیا۔ غرض کہ

انگریزی فوج کے افسر جنرل لیک کے شمالی طرف سے حملہ کو روکنے کے لئے نواب امیر خاں اور مہاراجہ ہلکر مقرر کئے گئے۔ اور جنوبی طرف سے نظام اور جنرل ولزلی کے متفقہ حملہ کو روکنے کے لئے، سندھیا، بھونسلہ اور گائیکواڑ کا مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا۔ انگریزی افسر نے سندھیا کی فوج کے ایک بڑے افسر کو سازش کر کے اپنی طرف ملا لیا۔ اور جب سندھیا کی شکست ہونے لگی تو دیگر سرداروں نے مدد نہ کی اور انجام دیکھتے رہے۔ اور پھر میدانِ جنگ سے ٹل گئے۔

تب ان کو مع سندھیا کے شکست کھا کر انگریزوں سے صلح کرنا پڑی جس کی رو سے بھونسلہ نے انگریزوں کو اڑیسہ کا ضلع دیا۔ سندھیا نے گنگا اور جمنا کے درمیان کا دوآب بشمول دہلی۔ آگرہ اور بہرائچ۔ انگریزوں کے سپرد کئے۔ اور گائیکواڑ نے گجرات میں کچھ علاقہ انگریزوں کو دیئے جن کی سالانہ آمدنی بارہ لاکھ تھی۔ اب صرف ہلکر اور نواب میر خاں ہی زیر ہونا باقی تھے۔

جرنل لیک نے آگرہ اور دہلی پر قبضہ کر کے ہلکر کا تعاقب کیا۔ پس ہلکر نے اجمیر و کشن گڈھ سے خط لکھ کر نواب محمد امیر خاں کو اپنی مدد کے واسطے بلوایا۔ تب نواب نے صرف رسالہ کو ہمراہ لیا، اور جھانسی سے معاملہ وصول کرتے ہوئے ایلچ پور پہنچے وہاں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ انگریزی فوج کے ساتھ ایک بڑی جمعیت گوسائیوں کی ہمت بہادر کے ماتحت موجود ہے۔ پس نواب نے رات گذار کر علی الصباح دشمن پر حملہ کر دیا۔ معرکہ نہایت سخت تھا۔ مگر پھر بھی انگریزوں کو شکست ہوئی۔ پانچ توپیں چالیس مالیت سے بھرے ہوئے صندوق اسی لاشیں انگریزوں اور بہت سے گوسائیوں کی میدان جنگ میں پائی گئیں۔ اور نواب امیر خاں فاتحانہ طور پر ایلچ پور داخل ہوئے۔

دوسرے روز سنا کہ کئی انگریز پلٹنیں کالپی کے قریب خیمہ زن ہیں پس نواب

پچھلی رات میں ان پر جا پڑے اور انگریزی فوج سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلی۔ پھر نواب نے شہر میں آکر روپیہ وصول کیا۔ دوسرے دن ہلکر کے دو شتر سوار ہرماڑہ علاقہ کشن گڈھ سے نواب کے پاس پہنچے۔ اور پیغام لائے کہ جلد مدد کو پہنچو۔ تب نواب وہاں سے روانہ ہو کر کوچ کی طرف آئے۔ تب وہاں ایک انگریز فوجی موٹی صاحب نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اس محاصرہ کو خاطر میں نہ لاکر نواب یلغار کر کے بچ نکلے۔ اور کرودائی آگئے۔ اس یلغار میں ستر کوس کی مسافت کو چوبیس گھنٹے میں طے کیا گیا تھا۔ اس لئے تیس ہزار سواروں میں سے صرف تیس ساتھ دے سکے۔ یہاں آکر سنا کہ ہلکر کے اہلکاروں سے جو سندھیا کے علاقہ سے روپیہ وصول کر رہے تھے جان بتیس صاحب نے تیس توپیں چھین لی ہیں۔

پس مختارالدولہ محمد شاہ خاں کے کیمپ سے دو ہزار سوار تازہ دم لیکر، نواب اب جان بتیس صاحب سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مگر وہ خائف ہو کر پہاڑوں میں جا گھسے۔ تب نواب نے اس لشکر کی سرکوبی اور واپس ہو کر مختارالدولہ کو ہمراہ لیکر سرونج آئے۔ اور سرونج سے روانہ ہو کر بھیلدر کا محاصرہ کیا۔ اور بھیلدر کا قلعہ فتح کر کے وہاں سے بھی روپیہ وصول کیا۔

راجپوتانہ کی قیادت پر انگریزوں اور ہلکر کی جنگ

ہلکر کا اقتدار راجپوتانہ پر مسلط ہو چکا تھا۔ یہ بات انگریزوں کو ناپسند تھی۔ پس جنرل مانی سین اور کولین سے ہلکر کی جنگ راجپوتانہ میں چھڑ گئی۔ جنرل کولین تو مارا گیا اور جنرل مانی سین فرار ہو گیا۔ تب ہلکر نے اس کا تعاقب متھرا تک کیا۔ اور وہاں سے فرخ آباد آئے۔ پس جنرل لیک صاحب نے آگرہ سے روانہ ہو کر فرخ آباد پر چڑھائی کی۔ یہاں ہلکر کو شکست ہوئی۔ تب ہلکر بھرت پور کے راجہ کے پاس آکر پناہ گزین

ہوئے - اور اپنی اس مصیبت میں مدد کرنے کے لئے نواب محمد امیر خاں کو طلب کیا۔ اسوقت نواب نے بھیلہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ غرض منڈلا اور ساگر کے راجاؤں سے راستہ میں روپیہ وصول کرتے ہوئے ، بھرت پور کی طرف روانہ ہوئے -

اس وقت جنرل لیک نے بھرتپور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ نواب امیر خاں کے آنے کی خبر سن کر بہت گھبرایا۔ اور موٹھے صاحب ناظم بندھیلکھنڈ کے ذریعہ نواب کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ اورنگ آباد میں جس قدر ملک دلنزنی صاحب نے آپ کو دینا چاہا تھا۔ اس پر تیرہ لاکھ کی آمدنی کے ملک کا اور اضافہ کرکے ہم دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ لوٹ مار سے باز آؤ - اس پر نواب محمد امیر خاں نے جواب دیا کہ -

"یہ ملک ہمارا ہے تم ہمیں دینے والے کون ہوتے ہو"

پس نواب نے توپخانہ اور اہل وعیال تو مختار الدولہ محمد شاہ خاں کے سپرد کیا۔ اور جریدہ سواروں کے ساتھ کوچ کرکے گوالیار کے پاس پہنچے ہی تھے کہ وہاں سے چار انگریزی پلٹنیں نواب کی آمد کا حال سنکر فرار ہو گئیں - نواب نے کئی روز تک گوالیار میں قیام کیا۔ پھر گوالیار سے روانہ ہو کر دھولپور پہنچے۔ یہاں محمد خاں آفریدی کے ہاتھ جنرل لیک نے پہلے پیغام پر اٹھارہ لاکھ کے ملک کا اور اضافہ کرکے صلح کا پیغام بھیجا۔ مگر نواب نے پھر وہی جواب کہلوا دیا -

شاباشی ہے ہند کے اس سپوت کو جس نے انیسویں صدی کے آغاز میں غیر ملکی یورپین فوج کے لالچ دلانے پر "ہندوستان ہندوستانیوں ہی کا ہے" نعرہ لگایا تھا - غرض یہ تھا وہ قومی جذبہ جو اس شیر ہند کے دماغ میں موجزن تھا۔ اور اس کی قدر آج کے آزاد ہندوستان میں جس قدر کی جائے کم ہے -

فتح پور سیکری کے مقام پر بلکیہ نے نواب کا استقبال کیا - اور ایک لاکھ روپیہ نذر گذرانا - جسے نواب نے فوج میں تقسیم کر دیا - پھر بھرتپور آکر قلعہ سے باہر ڈیرہ کیا۔

بھرتپور کا جاٹ راجہ رنجیت سنگھ اور جسونت راؤ ہلکر تو قلعہ میں ٹھہر کر مدافعت کرتے رہے۔ لیکن نواب نے باہر نکل کر انگریزی لشکر پر حملہ کیا۔ اور دشمن کی رسد کو لوٹ کر دشمن کو تنگ اور خوفزدہ کرتے رہے۔ پھر تینوں سرداروں میں یہ صلاح ٹھہری کہ کسی ایک کو یہاں سے ٹل کر انگریزوں کے دوسرے مقبوضات پر لوٹ مار کرنا چاہیئے۔ تاکہ انہیں اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کرنا پڑے۔ چنانچہ اس کے لئے بھی نواب امیر خاں چھانٹے گئے۔

انگریزی مقبوضات پر یلغار

نواب امیر خاں بھرتپور سے روانہ ہو کر مہابن کے گھاٹ سے معاملہ وصول کرتے ہوئے گوکل آئے وہاں سے مکوٹہ، سری جلال پور، پرجھیت گڈھ، قمرالدین نگر پہنچے۔ پھر گنگا پار کر کے موضع دھنورہ میں خیمہ کیا۔ وہاں سے چل کر امروہہ میں مقام ہوا۔ امروہہ سے مرادآباد آئے۔ یہاں انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا اور انگریزی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ پھر نواب نے وہاں سے کوچ کر کے رامپور کے علاقہ میں قیام کیا۔ اور وہاں سے کاشی پور وہاں سے شیر کوٹ اور وہاں سے دھام پور آئے۔ پھر یہاں کے رئیسوں سے روپیہ وصول کر کے نگینہ آئے پھر نجیب آباد گئے۔ اور وہاں سے کرت پور پہنچے۔ غرض انگریزی علاقہ میں تہلکہ مچا دیا۔

انگریزی فوج جب بڑے انتظامات کر کے ایک جگہ پہنچتی تو معلوم ہوتا کہ نواب یہاں سے اچانک روانہ ہو کر نہ معلوم کدھر بڑھ گئے۔ تب حیران ہو کر پھر سراغ رسانی کرتی پھرتی۔ غرض نواب کرت پور سے پھر مرادآباد جا پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ جرنیل لیک کی ایک انگریزی فوج سے سخت مقابلہ ہوا۔ مگر بے نتیجہ رہا نقصان طرفین کا بہت ہوا۔ افضل گڈھ سے ریٹھ، است پور، ٹھاکردوارے، کاشی پور

اور ٹانڈے ہوتے ہوئے پھر مراد آباد آپہنچے۔ وہاں شب گذار کر اگلے دن فیروزپور کے مقام پر جو سنبھل سے تین کوس کے اوپر ہے ڈیرے ڈالے۔

وہاں سے صرف تین سو سوار لے کر اپنے وطن سنبھل میں آئے۔ وہاں کے رئیسوں اور بزرگوں سے ملے۔ ہر ایک کو خلعت اور انعام سے سرفراز کیا۔ پھر علی الصباح چندوسی روانہ ہو گئے۔

چندوسی میں چند دن ٹھیر کر بریلی کے مفتی کو لکھا کہ ہم بریلی آتے ہیں منتظر رہو اس کا حال کسی طرح سے جرنیل اسکاٹ کو معلوم ہو گیا۔ تو وہ راستہ میں آکھڑا ہوا مگر نواب کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ تب نواب نے بریلی کا عزم فسخ کیا اور سنبھل لوٹ آئے۔ پھر علی پور چلے گئے۔ اور وہاں سے کوچ کر کے امروہہ آئے۔ یہاں جرنیل مائی سین ایک زبردست لشکر لے کر آپہنچا۔ مگر مقابلہ کی تاب نہ لا کر ابراہیم پورے کے احاطہ میں محصور ہو گیا۔ پھر نواب امروہہ سے کوچ کر کے چاندپور آئے صبح کو عید تھی۔ اس لئے چاندپور کی عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھ کر پھر امروہہ آئے۔ اور وہاں سے مقام گڈھ پہنچے۔ پھر وہاں سے ہاپڑ ہوتے ہوئے کمونا آئے اور کمونہ سے بھرتپور کیطرف روانہ ہوئے۔ جب مہابن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ متعدد مقامات پر انگریزی فوجیں جما دی گئی ہیں۔

پس نواب جمنا کے کنارے کنارے چلے۔ گھاٹ کے کنارے راجا ہاتھرس کی فوج متعین تھی۔ وہ نواب کے لشکر کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑی ہوئی۔ تب نواب نے دریا پار کیا۔ اور فتحپور پہنچے۔ جب ہلکر نے نواب کا فتحپور آنا سنا تو خود استقبال کو آئے اور پھر بھرتپور رے گئے۔ بھرتپور پر انگریزی فوج پڑی ہوئی تھی۔ اور جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لئے بھرتپور کے راجہ نے تنگ آکر مصلحت اسی میں سمجھی کہ انگریزوں سے صلح کر لے۔ چنانچہ اس نے دربردہ انگریزوں سے صلح کر لی۔ اور دونوں رفیقوں کو

اطلاع کرکے وہاں سے چل دینے کی خواہش کی۔

یہ حال دیکھ کر ہلکر اور نواب نے مہاراجہ سندھیا کو اپنا رفیق بنانا چاہا۔ اس پر سندھیا راضی ہو گئے۔ پس تینوں سرداروں نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالدینے کو جنگ جاری رکھنے کا عہد کیا۔ چنانچہ مہاراجہ سندھیا اور نواب مانڈل گڈھ علاقہ میواڑ میں آئے۔ اور ہلکر نے شاہپورہ میں قیام کیا۔

مہاراجہ سندھیا کا انگریزوں سے ساز

مہاراجہ ہلکر اور مہاراجہ سندھیا کے دلونمیں پہلے کی رنجشیں صاف نہ ہوسکی تھیں۔ چنانچہ سندھیا نے مانڈل گڈھ سے رخصت ہوکر ہلکر کے پاس شاہپورہ آئے اور سندھیا کی چال سنائی۔ اسی اثنا میں پٹیالہ کے راجہ۔ صاحب سنگھ اور لاہور کے راجہ رنجیت سنگھ کے ایلچی نواب امیرخاں کے پاس یہ پیغام لائے کہ تم اور ہلکر دونوں ہمارے ملک میں چلے آؤ۔ پس یہ دونوں سوار مشورہ کرکے پٹیالہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور سانبھر، کھٹو، کھنڈیلہ، نارنول، ہانسی اور حصار ہوتے ہوئے پٹیالہ پہنچے۔ اور راجہ پٹیالہ سے ملے۔

نواب امیرخاں کا عزمِ کابل

ان کے پیچھے جرنیل لیک ایک بہت بڑا لشکر لیکر کرنال کے قریب آ گیا۔ پس ہلکر اور نواب لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاکہ رنجیت سنگھ والی پنجاب سے مدد لیکر انگریزوں سے حملہ آور ہوں۔ اگر وہ مدد نہ کریں تو کابل جاکر شاہ کابل سے مدد لیں غرض جب امرتسر کے قریب پہنچے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دو تین کوس پر ان کا استقبال کیا۔ اور اپنی راجدھانی امرتسر میں ڈیڑھ ماہ تک انہیں مہمان رکھا۔

جرنیل لیک نے کرنال سے روانہ ہو کر پٹیالہ میں آ کر قیام کیا۔ نواب اور ہلکر سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے ایک شیخ صاحب کو بھیجا۔ شیخ پہلے تو نواب امیر خاں کے لشکر میں آئے اور ملازم ہو گئے۔ پھر چند روز کے بعد نواب سے کہا کہ میرا بھائی سرکار انگریزی میں ملازم ہے۔ اگر فرمائیں تو میں اس کے ذریعہ صلح کرا دوں۔ تب نواب نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم انگریزوں کی طرف سے اس کام کے لئے آئے ہو۔ تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم اسی وقت ہمارے لشکر سے نکل جاؤ۔ تب شیخ صاحب وہاں سے نکل کر سیٹھ بالارام مصاحب و مشیر خاص ہلکر کے پاس آئے۔ اور اس کے ذریعہ ہلکر کو مصالحت پر آمادہ کیا۔ غرض ہلکر صلح کر لینے پر آمادہ ہو کر نواب کے پاس آئے اور اصل مدعا کو پوشیدہ رکھ کر کہا۔ کہ رنجیت سنگھ کی ایسی مصلحت نہیں ہے کہ ہماری مدد کریں۔ اور شاہ کابل کے پاس پہنچنے کے لئے ہمارے پاس خرچ بھی نہیں ہے۔ اب بتلاؤ کہ کیا کریں۔ تب نواب نے کہا کہ میں کابل جاتا ہوں اور جس طرح بھی کہ ممکن ہوا کہ شاہ کو لاتا ہوں۔ دس پندرہ لاکھ کے جواہرات تو اس وقت ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ وہ انہیں دونگا۔ اور باقی کے لئے وعدہ کر لوں گا۔ جیسے دہلی اور لکھنؤ سے وصول کر کے ادا کر دونگا۔ مگر کسی بھی طرح انگریزوں کو ملک سے نکال کر رہونگا۔ تب ہلکر نے کہا کہ اگر شاہ کابل نہ آئے۔ تب کیا ہوگا۔ اس پر نواب نے کہا کہ کچھ پرواہ نہیں ہے۔ میں اٹک تک جاونگا۔ اور اپنے ہم قوم پٹھانوں کو ہی جمع کرونگا۔ انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کے لئے تو وہی کافی ہیں۔

مہاراجہ ہلکر کا انگریزوں سے ملجانا اور نواب امیر خاں کے ساتھ بے وفائی کرنا

ہلکر نے یہ سن کر دوسری تدبیر اختیار کی اور کہا کہ کابل تک دو چار ہزار سوار لیکر جانا مناسب نہیں ہے۔ زیادہ تعداد لیجانا چاہیئے۔ ان کے مصارف کے لئے میں اپنے سیٹھ بالارام کو کچھ جواہرات دیکر کہیں ایسی جگہ بھیجتا ہوں جہاں یہ اچھے داموں میں بک سکیں۔ جب روپیہ آجائیگا تو سفر کا ارادہ کیا جائیگا۔

اس پر نواب امیر خاں راضی ہو گئے۔ حقیقت یہ تھی کہ ہلکر یہ نہیں چاہتے تھے کہ نواب خود کابل جاکر شاہِ کابل کی مدد دے آئیں۔ اس لئے کہ ان کی مدد سے، جو ملک بھی فتح ہوگا۔ اس سے مہاراجہ ہلکر کو کیا فائدہ پہنچے گا۔

غرض ہلکر نے اپنے سیٹھ کو جواہرات بیچنے کے بہانے سے انگریزوں کے لشکر میں بھیجا۔ اور وہاں اس نے جرنیل لیک سے ملاقات کی۔ اور دریائے بیاس پر ہلکر اور انگریزوں کی مصالحت کا عہدنامہ لکھا گیا۔ جس کو سیٹھ بالارام نے لاکر مہاراجہ ہلکر کو پیش کیا۔ ہلکر نے یہ دیکھ کر کہ اگر اس میں نواب کو شریک نہ کیا گیا تو معاملہ بگڑ جائیگا۔ اس لئے نواب کے مشیر لالہ ہمت رائے کو بلوایا۔ اور کہا کہ ہمارے بھائی نواب کو جس طرح بھی ممکن ہو سمجھا کر صلح پر آمادہ کرا دو۔

لالہ ہمت رائے نے یہ سب کیفیت نواب کے گوش گذار کی وہ سنتے ہی چونک پڑے اور بہت خفا ہوئے۔ اور کہا مہاراجہ نے ہمارے ساتھ بہت بے وفائی کی خیر کچھ پرواہ نہیں ہے۔ میں ابھی سرحد اور افغانستان کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔

غرض وہاں سے کوچ کر کے پندرہ میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوئے۔ جب

لیک صاحب نے نواب کے جدا ہونے کا حال سنا تو فوراً سرجان مٹکاف کو ہلکر کے پاس بھیجا۔ اور کہلوایا کہ ہمیں بغیر نواب کے صلح منظور نہیں ہے۔ عہد نامہ اسی وقت مکمل ہو سکے گا۔ جب اس پر نواب محمد امیر خاں کی مہر لگی ہوگی۔

اب ہلکر کو یہ فکر ہوئی نواب ضرور آدھے ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ اس لئے سرجان مٹکاف سے کہا۔ کہ نے اس عہد نامہ کی تقسیم حدود سلطنت میں کیوں کہ راجستھان اور دکھن کا معاملہ اپنی طرف رکھا ہے۔ اور نواب کے لشکر کا گذارہ اسی پر تھا۔ اس لئے وہ ناراض ہو کر علیحدہ ہو گئے ہیں غرض سرجان مٹکاف راجستھان اور دکھن کا معاملہ چھوڑنے پر بھی رضامند ہو گئے۔ غرض یہ طے کر کے مہاراجہ ہلکر نواب کے پاس آئے۔ اور خلوت میں نواب کو بہت کچھ سمجھایا۔ جس کے اثر سے نواب کو بادل ناخواستہ خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ اور صلح نامہ پر اپنی مہر نہ لگائی تب مہاراجہ ہلکر اس ملک میں سے جو انگریز ہلکر کو دینا چاہتے تھے۔ نواب کے حق میں نصف ملک چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ اور پرگنہ ٹونک اور ٹراوہ تو قطعاً دیدیا اور جے پور، کوٹہ اور اودھے پور کا معاملہ وصول کرنے کا حق نواب کے حصہ میں لکھا اور سرجان مٹکاف سے کہا کہ مجھ میں اور نواب میں کچھ مغائرت نہیں ہے۔ عہد نامہ پر میری مہر کافی ہے۔ برطانیہ کا دیا ہوا ملک ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ تم پہلے جنرل لیک صاحب کا کوچ یہاں سے کرا دو۔ پھر ہم اپنے اپنے ملک کو چلے جائیں گے۔ چنانچہ پہلے لیک صاحب آگرہ کو لوٹے اور پھر ہلکر اور نواب بعد میں روانہ ہوئے۔

اب مہاراجہ ہلکر کو یہ فکر ہوئی کہ نواب ضرور آدھے ملک پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ نواب کو زہر دیکر مار دیا جائے۔ پس چند تدابیر میں ناکام رہنے کے بعد نواب کے خدمتگاروں میں سے ایک نوعمر لڑکے کو چھانٹا۔ اور اپنے پاس بلا کر اس طرح پھسلایا کہ نواب امیر خاں میرے بھائی ہیں۔ مگر کچھ عرصہ سے چند بد طینت

اشخاص نے انہیں میری طرف سے بدظن اور ناراض کر دیا ہے۔ اور میں نے کسی جادوگر سے موہنی لی ہے۔ اگر تم کسی طرح نواب کو یہ اکسیر کھلا دو تو ہم دونوں میں پھر پہلے جیسی محبت قائم ہو جائے گی اور اس کے صلہ میں تمہیں میں سونے کے کڑے پہنا دونگا۔ اور پانچ ہزار سالانہ کی جاگیر بھی دونگا۔ تب لڑکے نے کہا کہ پہلے میں اس کی اجازت اپنی ماں سے لے لوں تب کچھ کر سکونگا۔ واپس آکر اس نے یہ سب حال نواب سے عرض کر دیا۔ نواب نے کہا کہ تو ابھی جا اور ہلکر سے کہہ کہ میری ماں نے اجازت دیدی ہے۔ موہنی خاک دیدو۔ تو میں اسے نواب کو کھلا دوں۔ غرض کہ لڑکے نے موہنی خاک ہلکر سے حاصل کر لی۔ اور نواب کو لاکر دیدی۔ تب نواب پہلے تو اس بے وفائی اور حرکت پر بہت افسوس کرتے رہے۔ اور پھر وہ پڑیا لے کر ہلکر کے پاس پہنچے۔

پڑیا کو دیکھ ہلکر حیران رہ گئے۔ اور کئی طرح سے معذرت چاہی۔ تب نواب نے کہا کہ ہم اب بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور بدی کے عوض بھلائی ہی کرتے رہیں گے۔ کیوں کہ تمہیں بھائی بنایا ہے۔

راجپوتانہ میں نواب محمد امیر خاں کا اقتدار

پنجاب سے واپس ہو کر ہلکر اور نواب راجپوتانہ میں آئے۔ ہلکر تو لشکر میں ٹھیرے اور نواب اجمیر میں۔ ان دنوں جے پور اور جودھپور کے راجاؤں میں اودے پور کی شہزادی سے شادی کرنے کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ پس راجہ جے پور نے نواب امیر خاں صاحب کی مدد حاصل کر کے مقصد برآری کرنی۔ لیکن جو وعدے کئے تھے وہ پورے نہ کئے۔ اس سے نواب بدل گئے۔ اور راجہ جودھپور سے جا ملے۔ تب جیت جودھپور کی ہونے لگی۔ غرض راجپوتانہ میں نواب نے اس قدر کامیاب جنگیں لڑیں کہ تمام راجستھان میں نواب امیر خاں کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ ادھر کچھ عرصہ کے بعد امیر علی خاں ٹھگ کے

نام سے ایک دوسرے پٹھان سے سارے راجپوتانہ میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اور وہ ٹھگوں کا سردار بن گیا تھا۔ آخر انگریزوں نے انسداد ٹھگی کی مہم شروع کر کے اس زبردست خطرہ کو بھی دور کیا۔

غرض کہ نواب امیر خاں کے لشکر کو جے پور، جودھپور، بیکانیر اور ادیپور جیسی بڑی ریاستیں بھی تحفہ دیکر خوش رکھتی تھیں۔ اور بلائے ناگہانی سمجھکر خراج دیکر ٹالتی تھیں۔ چنانچہ راجپوتانہ کی ہر بڑی ریاست میں نواب کی طرف سے ایک سردار خراج وصول کرنے کے لئے مقرر تھا۔ جو سالانہ مقررہ خراج وصول کیا کرتا تھا۔ اسی طرح نواب امیر خاں کی قیادت راجپوتانہ میں مسلم ہو چکی تھی۔ اور یہ سب کچھ نواب کے سپاہیانہ جوہروں اور ان کے دلیر ساتھیوں مثلاً مختار الدولہ محمد شاہ خاں، داراشاہ خاں، جمشید خاں، محمد سعید خاں اور غفور خاں کی بدولت تھا۔

ناگپور کی جنگ

سارے راجپوتانہ میں اپنی دھاگ بٹھاکر نواب نے پھر وسطِ ہند کی طرف کوچ کیا اور چالیس ہزار سوار لیکر سارنگپور، شجاعلپور اور راے سین کے راستہ پر روپیہ وصول کرتے ہوئے بھوپال آئے۔ وہاں نواب وزیر محمد خاں نے دوستانہ ملاقات کی۔ بھوپال سے چل کر کوٹہ کے راجہ سے خراج وصول کیا۔ پھر وہاں سے جبل پور پہنچکر رگھوجی بھونسلا کو شکست دیکر ناگپور کی طرف بڑھے۔ تب ناگپور کے راجہ نے اپنے ملک کا نصف حصہ نواب کو لکھدیا۔ مگر درپردہ انگریزی فوج اور سندھیا کا لشکر ناگپور آ پہنچے۔ تب نواب امیر خاں نے سب سے لوہا لیا۔ اور سب کے حوصلہ پست کئے۔ اسی اثنا میں ہلکر کی رانی کے خط پہ خط آئے کہ دھرمان چیلے نے ستا رکھا ہے۔ پس ناگپور کی جنگ کو ناتمام چھوڑ کر بھوپال، بھیلسہ، سرونج اور سارنگپور ہوتے ہوئے علاقہ میواڑ میں آپہنچے۔

اور وہاں سے کوچ کر کے بھیر پور علاقہ چتوڑ میں آ گئے۔ اور دھرمان چیلے کا محاصرہ کر کے اس کے لشکر کو شکست دی۔ اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس طرح ریاست اندورہ کو ہر طرح محفوظ کر کے رانی کے سپرد کیا۔ کیوں کہ ہلکر کچھ دنوں سے دیوانے سے ہو کر ناقابلِ کار ہو گئے تھے۔ اور رانی ہی ریاست کا تمام کاروبار سنبھالتی تھی۔ پھر کچھ دن بعد جسونت راؤ ہلکر کے مرنے کی خبر ملی۔ مگر نواب نے حقِ رفاقت اور برادری ہلکر کے مر جانے کے بعد بھی اسی طرح سے نبھایا۔ اور رانی کی ہر طرح سے مدد کرتے رہے۔ اسی اثنا میں کریم خاں پنڈاری دولت راؤ سندھیا سے شکست کھا کر دو سو سواروں کے ساتھ نواب کے پاس آ کر پناہ گزین ہوا۔ دولت راؤ نے کریم خاں کو طلب کیا تو نواب نے ایک پناہ لینے والے کو واپس دینا خلاف جوانمردی سمجھ کر صاف انکار کر دیا۔ اور کریم خاں کو محمد عبدالغفور خاں کے سپرد کر کے نظر بند کر دیا۔ انہوں نے کریم خاں کو راجہ درجن سال کے سپرد کر دیا۔ کہ وہ سندھیا کی مخالفت میں کریم خاں سے کام لیں۔ اس سال نواب کی خاص فوج کے جرنیل دلا شاہ خاں نے ۱۲۲۷ھ اور ۱۸۱۲ء میں وفات پائی۔

افغانستان میں نواب محمد امیر خاں کے اثرات

جے پور اور جودھپور کے آپسی جھگڑوں سے فارغ ہو کر نواب امیر خاں بوندی میں مقیم تھے کہ شاہ شجاع بادشاہ کابل کا فرمان بطلب امداد جنگ خانگی آیا۔ اسی زمانہ میں حاکم سیستان کی بیگم کا خط آیا کہ تم ہمارے ملک میں چلے آؤ۔ تمہارے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر کے تمہیں اپنے ملک کا وارث بنا دیں گے۔ تب نواب نے مختار الدولہ محمد شاہ خاں سے مشورہ کیا۔ مگر مختار الدولہ نے اس خیال سے موافقت نہیں کی اور نواب کو بیرونِ ہند جانے سے روک لیا۔ آخر ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء میں

مختارالدولہ جبکہ جودھپور سے خراج وصول کرنے گئے ہوئے تھے کہ میرٹھ میں بیمار ہوگئے ان کی بیماری کا حال سنکر نواب خود وہاں پہنچے۔ اور ان کی موجودگی میں ہی مختارالدولہ محمد شاہ خاں نے انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

نواب محمد امیر خاں کی آخری مہم

اسی اثنا میں جے پور والوں نے خراج دینے سے انکار کردیا۔ اس لیئے جے پور پر چڑھائی کی گئی۔ اور پر پوتی دختر راجہ مانسنگھ نے جب نواب کو بھائی بنا لینے کا پیغام بھیجا۔ تب شہر کو لوٹ سے امان دیدی گئی۔ اور ایک گولہ کے بعد جو کہتے ہیں کہ ہوائی محل پر مارا گیا تھا پھر گولہ باری نہیں کی گئی۔ اس وقت نواب کا لشکر فتح بیٹہ کے میدان میں بھرا تھا۔ اور نواب نے اس وقت کے درویش بزرگ سے جن کی درگاہ ان کی وفات کے بعد فتح بیٹہ پر ہی بنائی گئی تھی عقیدت مندانہ ملاقات بھی کی تھی۔ مگر سنہ ۱۸۱۷ء میں جب کہ نواب نے قلعہ راجپورہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ انگریزوں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ نواب کے لشکر کو اچانک آگھیرا۔ اور جرنیل ڈنکسن ایک اور جرار لشکر لیکر آگرہ سے روانہ ہوا۔ اور راجپورہ سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا۔

تب جرنیل آکٹرلونی ایک اور زبردست فوج اور عظیم الشان توپخانہ لیکر آموجود ہوا انگریزوں نے کبھی اتنا زبردست لشکر ہندوستان میں کسی بھی رئیس کے مقابلہ میں اکٹھا نہیں کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ غضب یہ کیا کہ نواب کے پرانے دوستوں اور رفقاء کو توڑ کر اپنی طرف ملالیا۔ چنانچہ فیض الدولہ خاں بنگش جو نواب کا ایک پرانا رسالدار تھا۔ معہ اپنے رسالہ کے نواب سے جدا ہو کر انگریزی رسالہ میں آشامل ہوا۔ اور نواب عبدالغفور خاں شیر خاص کو صلح کرا دینے کے معاوضہ میں ریاست جاورہ انگریزوں نے دیدی۔ انہی حالات میں سر چارلس مٹکاف نے دہلی سے لالہ نرجن لال کو

عہد نامہ کا مضمون دیکر نواب کے پاس بھیجا کہ اس پر نواب محمد امیر خاں اپنی مہر لگا دیں تو ہمارے ان کے درمیان بھی صلح ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ مصالحت کی خوبیاں اور آئندہ منافع کی توقعات بھی کہلا بھیجے۔ تاکہ جس طرح کے ممکن ہو نواب محمد امیر خاں کے خطرے سے نجات حاصل کی جائے۔

یہی وہ زمانہ تھا کہ پیشوا کو انگریزوں نے اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ اور ہلکر صلح کا، عہد نامہ لکھ چکے تھے۔ ادھر نواب عبدالغفور خاں نے انگریزوں سے صلح کر لی تھی۔ رگھوجی بھونسلا پر چڑھائی ہو رہی تھی۔ سندھیا کی ترک دتاز بھی ختم ہو چکی تھی۔ مختار الدولہ محمد شاہ خاں کا انتقال ہو چکا تھا۔ گویا نواب کا دست راست لٹ چکا تھا۔ پس ان حالات میں نواب امیر خاں کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ راجپورہ کے ٹھاکر سے صلاح کر کے محاصرہ ہٹا لیا جائے۔

پس نواب تیزی کے ساتھ نیماہیڑہ پہنچے اور رائے داتارام کو جو نواب کی طرف سے ریاست جے پور میں سفیر تھے لکھا کہ تم جرنیل آکٹرلونی کے پاس جاکر، ہماری طرف سے کہو کہ تمہاری خواہش کے مطابق ہم سے اب صلح ہو جانا مناسب ہے۔

چنانچہ رائے داتارام اور محمد عمر خاں سانگانیر کے مقام پر جرنل آکٹرلونی سے ملے اور مفصل گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ دونوں لشکروں کے درمیان ایک مقام ہو گا۔ اور جرنیل آکٹرلونی اور نواب محمد امیر خاں کی وہاں ملاقات ہو گی۔ غرض کئی دن تک ملاقاتیں ہونے کے بعد عہد نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے ۱۸۱۷ء میں ریاست ٹونک کی بنیاد اس طرح پڑی کہ پرگنات سرونج، پڑاوہ، نیماہیڑہ، چھبڑہ اور ٹونک جو معاہدہ تقسیم ملکی کے وقت مہاراجہ ہلکر کی طرف سے نواب محمد امیر خاں کو پہلے دئے جا چکے تھے۔ ان پر نواب کا بدستور مالکانہ قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ اور پرگنہ رامپورہ علی گڈھ مزید گورنمنٹ سرکار کمپنی کی طرف سے دیا گیا۔

ذیل میں اسی عہد نامہ کی نقل کی جاتی ہے جو سرکار کمپنی اور نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے مابین ۹ نومبر ۱۸۱۷ء کو مرتب ہو کر ۲۶ دسمبر ۱۸۱۷ء کو تصدیق و تکمیل کے بعد نافذ ہوا۔ نواب کی طرف سے سب معاملات رائے دلارام میر منشی نے دہلی جا کر طے کئے۔

اس اقرار نامہ میں قابل ذکر شرط یہ تھی کہ علاقہ راجپوتانہ میں جس قدر ملک دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ روہیلکھنڈ میں پرگنہ سنبھل بھی جو کہ نواب کا وطن تھا دیا جائے مگر انگریزوں نے اس شرط کو لیت و لعل میں رکھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پرگنہ پلول علاقہ میوات دینے کا خیال ظاہر کیا۔ مگر شرط یہ رکھی کہ اس پر انتظام انگریزوں کا رہیگا۔ اور آمدنی نواب کو بھیجی جاتی رہے گی۔ آخر نواب نے یہ منظور کر لیا۔ کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد سالانہ صاحبزادہ وزیر الدولہ کے نام سے انگریزی خزانہ میں جاری کر دیے جائیں گے۔

ریاست ٹونک۔ ہندوستان میں اسلامی فتوحات کی آخری کڑی تھی۔ اس کا رقبہ دو ہزار پانچسو ترپین ۲۵۵۳ مربع میل تھا۔ اور آمدنی تقریباً چھپن ۵۶ لاکھ روپیہ معہ جاگیرات کے تھی۔ اور آبادی تقریباً چار لاکھ نفوس کی تھی۔ جس میں ہندو پچاسی ۸۵ فی صدی اور مسلمان پندرہ ۱۵ فی صدی تھے۔

اور گورنمنٹ برطانیہ نے نواب ٹونک کی سلامی ۱۷ سترہ توپوں کی مقرر کی تھی۔

عہد نامہ

دفعہ یکم:۔ اقرار نامہ فیما بین سرکار کمپنی انگریز بہادر و نواب امیر الدولہ، محمد امیر خاں بہادر مرتبہ مسٹر چارلیس تھیافلس مٹکاف بہادر منتظم الدولہ از سرکار کمپنی بہادر بموجب اختیار دادہ۔ جناب معلّی القاب مارکوئس آف ہیسٹنگز

گورنر جنرل بہادر ولالہ نرنجن لال از طرف نواب صاحب بہادر موصوف بموجب اختیار دادہ

دفعہ دوم :- نواب محمد امیر خاں بہادر فوج خود را سوائے قدرے کہ برانتظام مکانات مرقومہ صدر در کار شد ہر طرف خواہند نمود۔

دفعہ سوم :- نواب صاحب موصوف خلش در ملکے کسے نخواہند کرد۔ ورالطرکہ باینڈاران و دیگر غارتگران کہ میدارد موقوف خواہد نمود۔ بلکہ حتی الوسع در تدارک و مدافعت آں، بہ رفاقت سرکار خواہند پرداخت و سوال و جواب با حدے بغیر مرضی سرکار نخواہند داشت۔

دفعہ چہارم :- نواب صاحب موصوف ہمگی اضراب توپہا و اسباب جنگی خود سوائے قدرے کہ بنا بر تنظیم مکانات و تحفظ تلعجات متعلقہ خود در کار باشد۔ در سرکار کمپنی انگریز بہادر خواہند رسانید۔ و عوض آں از سرکار زر نقد بقدر واجب خواہند یافت۔

دفعہ پنجم :- جمعیت کہ پیش نواب موصوف خواہد ماند، عند الطلب در سرکار کمپنی انگریز بہادر خاطر خواہی گرہ دید۔

دفعہ ششم :- اقرار نامہ ہذا متضمن شش دفعہ و مہر و دستخط مسٹر چارلس تھیا فلسس مٹکاف بہادر و نرنجن لال بمقام دار الخلافہ شاہجہان آباد ترتیب یافتہ۔ و در وفق آں اقرار نامہ بمہر و دستخط جناب معلی القاب گورنر جنیل بہادر، نواب محمد امیر خاں بہادر تکمیل پذیرفتہ۔ در عرصہ یکماہ دو نیما خواہد رسید۔

مرقوم نہم ماہ نومبر ۱۸۱۷ء عیسوی

العبد

مہر نواب (خدا خود میر سامان است ارباب توکل را)

دستخط لالہ نرنجن لال - وکیل نواب امیرالدولہ بہادر

العبد

مہر سر چارلس مٹکاف رزیڈینٹ دہلی

مہر وسرائے ہند

زبدۂ نوآئینان عظیم الشان مشیر خاص حضور فیض معمور بادشاہ کیواں بارگاہ انگلستان - اشرف الاشراف مارکویس آف ہیسٹنگز گورنر جنیل بہادر ناظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر امیر اعظم عساکر بادشاہی و سرکار کمپنی متعلقہ کشور ہند ۱۲۳۴ھ سنہ حج -

رئیسانہ زندگی ۱۸۱۷ء سے ۱۸۳۴ء تک

دنیوی میدان عمل میں بہت کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ اہل سیف حضرات بھی جہاں بانی اور مدبرانہ اوصاف کے حامل ہوں۔ مگر نواب محمد امیر خاں بہادر نے تلوار کو میان میں رکھنے کے بعد ریاست ٹونک کی تنظیم میں ذہانت اور ذکاوت کو وہ جوہر دکھلائے جو زمانہ میں عدیم المثال ہیں۔ قلعہ معلی ٹونک میں اقامت پذیر ہو کر دیوان خانہ و دیگر محلات کی تعمیر میں معروف ہوئے - اور قدیم فاتحین اسلام کی طرح جامع مسجد واقع محلہ امیر گنج کی بنیاد ڈالی جو ممدوح کے زمانہ حیات ہی میں تکمیل کے مدارج کو پہنچی۔

قدیم ٹونک اور قلعہ معلےٰ کے درمیان ایک طویل میدانی حصہ تھا جس میں کاشت ہوتی تھی۔ پس رائی کو رعایا سے قرب عطا فرمانے کے لئے اور اس خلاء کو پر کرنے کے لیے اپنے عساکر سے آباد کرایا۔ چنانچہ محلہ امیر گنج میں اپنے اقرباء کو محلہ کالی پلٹن، رجمن، چھاؤنی، اور بہیر میں اپنے لشکر کو اور شاگرد پیشہ میں اپنے خدام کو

محلہ تختہ میں ساہوکاران و مہاجنان کو اور مکانیست اہل کاران کو آباد کیا۔ اور جدید آبادی اور قدیم آبادی کے درمیانی حصہ کو بازار کی تشکیل دی۔ چنانچہ بازار امیر گنج کے بعد بازار وزیر گنج اور علی گنج کے بعد نوابان نے اپنے نام سے بسایا۔ جامع مسجد قدیم ٹونک میں بھی توسیع اسی زمانہ میں کرائی گئی۔

ٹونک میں مسلمانوں کے لئے عدالت شریعت اور دیگر محکمجات کی تنظیم کے بعد ریاست کے پرگنات کی طرف توجہ کی۔ اور اس سلسلہ سے پہلے دورہ سرونج کا ۱۸۱۸ء میں ہوا۔ پھر دو سال بعد یعنی ۱۸۲۰ء میں سرونج دوبارہ تشریف لے گئے۔ اور دو ماہ تک وہاں مقیم رہ کر عدالتی و اصلاحی انتظامات میں مصروف رہے تیسری مرتبہ پرگنہ چھبڑہ ۱۸۲۸ء میں ہوتے ہوئے پھر سرونج آئے۔ اور اپنے ولیعہد صاحبزادہ محمد وزیر خاں کو سرونج کی حکومت حوالہ کر کے ٹونک واپس ہوئے۔ چوتھی مرتبہ سرونج کی انتظامی کشش نے امیر الدولہ بہادر کو پھر اپنی طرف کھینچا۔ اور پھر پرگنہ پر تسلط کامل ہو گیا۔ اور پرگنہ کی رعایا کو ہر طرح سے امن حاصل ہو گیا۔ تب ٹونک واپس آئے اور کچھ عرصہ بعد علیل ہو کر ۲۵ رجمادی الآخر ۱۲۵۰ھ م ۳۰ ستمبر ۱۸۳۴ء کو نواب بہادر کی روح قید عناصر سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئی۔ اور قبرستان موتی باغ میں دفنائے گئے۔ ابتدا میں ان کی قبر کچی تھی۔ مگر بعد میں بعہد نواب ابراہیم علی خاں اسے سنگ مرمر سے پختہ کرا دیا گیا ہے۔ تب ہی سے زمرۂ نوابانِ ٹونک کی یہ واحد پختہ قبر ہے۔ اور بعد کی سب نوابان کی قبریں کچی یعنی مٹی کی ہیں۔

اولادِ نرینہ کا شجرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اور اولاد اناث کا شجرہ مصلحتاً ترک کر دیا گیا ہے۔

(شجرہ آئندہ صفحہ پر)

نواب محمد امیر خاں

۱ صاحبزادہ محمد وزیر خاں ولیعہد — ۲ عبدالکریم خاں — ۳ عباداللہ خاں

۴ جمال خاں — ۵ جلال خاں — ۶ کمال خاں — ۷ اکرم خاں

۸ احمد علی خاں رونق — ۹ فقیر احمد یار خاں — ۱۰ بخت بلند خاں — ۱۱ منیر خاں

۱۲ ہدایت اللہ خاں — ۱۳ محمد جہانگیر خاں — ۱۴ محمد فتح خاں

نوٹ :۔ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ نے صغر سنی میں انتقال کیا۔

نواب محمد امیر خاں کی خصوصیات

انگریزوں سے صلح کے نتیجہ میں ریاست ٹونک ملجانے پر امیری لشکر سب سے پہلے کنارۂ بناس پر اترا۔ اور محلہ بہیر لشکر ہی کی وجہ سے نام پڑا۔ تب نواب اپنے محلات کے ساتھ بیگم باغ میں مقیم رہے جس کا صدر دروازہ اس وقت وہ تھا۔ جہاں اب بصورت دربان "تاڑ کھجور" کے دو درخت لب بناس بطور یادگار کے لگے ہوئے ہیں۔ (مگر اب وہ بھی ختم ہو چکے ہیں)

ان کا دربار جامع مسجد بہیر کے ایک گوشہ میں پتھروں کے فرش پر لگتا تھا جس کے نشانات اب تک بھی باقی ہیں۔ کچھ عرصہ تک بہیر میں ٹھیر کر لشکر کے، آدمیوں کو بدستور بہیر میں رہنے دیا۔ اور وہ خود قلعۂ معلّٰی میں اقامت پذیر ہوئے۔

زندگی کا یہ دور مدبرانہ اور صوفیانہ تھا۔ مدبرانہ اس لئے کہ رفقا میں باوجود ۵۲ نوابوں کے تقسیم ملک یا کسی بھی نہج سے کبھی بغاوت رونما نہیں ہوئی۔ کیوں کہ

ان سب کے دلوں پر نواب محمد امیر خاں کی سرداری اور وفاداری نقش کالحجر تھی ۔ صوفیانہ اس لئے کہ موصوف نے اس دور کی پرسکون زندگی کا حق ایسا ادا کیا کہ ایک دفعہ تلوار میان میں رکھدینے کے بعد پھر کبھی باہر نہ نکالی ۔ اور اپنی زندگی کی واحد دلچسپی تقوی کو ٹھیرایا ۔ نیک تو وہ ابتدا ہی سے تھے ۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے داڑھی کبھی نہیں منڈوائی نماز اکثر پڑھی ۔ شراب کبھی نہیں پی ۔ شب میں عبادت اور دن میں مہیں کرتے رہے ۔

اس اطمینانی زندگی کا مشہور واقعہ صرف وزیرالدولہ ولیعہد کی شادی تھی ۔ جو ریاست گوالیار میں سلطان جہاں بیگم سے ہوئی ۔ اور جس میں اس زمانہ کے مشہور راجگان اور انگریز حکام شریک ہوئے ۔

امیر اعظم نواب محمد امیر خاںؒ کا تاریخ ہند میں رتبہ

شہنشاہ اورنگ زیب کے ۱۷۰۷ء میں انتقال سے لیکر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے تخت دہلی پر قابض ہونے تک صرف ایک صدی میں مسلمانان ہند میں وہ تمام خرابیاں رونما ہو چکی تھیں جو ایک مغلوب و مغضوب قوم میں ہوا کرتی ہیں ۔ چنانچہ نواب امیر خاں کے عروج سے قبل شمالی ہندوستان سے اسلامی اقتدار اٹھ چکا تھا ۔ پنجاب سکھوں کے قبضہ میں آچکا تھا ۔ راجپوتانہ میں راجپوت چھائے ہوئے تھے ۔ اور بقیہ ہند پر مرہٹے پھیلے ہوئے تھے ۔ صرف روہیلکھنڈ میں روہیلوں کا شکست خوردہ اقتدار نواب حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۱۸۸ھ کے بعد بھی برائے نام باقی تھا ۔

ان کھوئے حالات میں مٹھی بھر پٹھان رفقاء کے ساتھ اپنے وطن سے دور مالوہ کی پہاڑی سرزمین میں اپنی ہیبت اور قیادت کا علم گاڑ دینا ایک بڑی بات تھی۔ اس لیئے نواب امیر خاں کی فتوحات کو اسلامی فتوحات ہند کی آخری کڑی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اسے راجپوتانہ میں پٹھانوں کی ایک ریاست قائم ہونے کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

فرنگی اقوام کے چنگل سے ہندوستان کو بچانے کی پہلی جد وجہد تو سلطان حیدر علی والئ میسور اور ان کے فرزند ٹیپو شہید شیر میسور نے کی تھی۔ مگر ہندوستان میں صادق جیسے نمک حراموں کے موجود ہونے سے وہ مدعا حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے بعد آزادی ہند کی حمایت میں نواب محمد امیر خاں نے وہ سب کچھ کیا جو شیر شاہ سور افغان نے مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے کیا تھا۔ مگر شیر شاہ سور اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ اور نواب محمد امیر خاں کو کامیابی میسر نہ آسکی حالانکہ انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جملہ مرہٹہ سرداروں کو بھی ملا لیا تھا۔ مگر میدان عمل اور آزمائش میں آخر وقت تک صرف نواب محمد امیر خاں ہی ڈٹے رہے۔ اور باقی دیگر مرہٹہ وجاٹ سردار ایک دوسرے کا نتیجہ دیکھتے رہے اور خود ان میں قومی جذبہ اور وطنی لگن نہ ہونے کے لئے آپسی عداوت ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف سازش کر کے انگریزوں سے ملتے چلے گئے۔

مرہٹہ سرداروں میں سب سے پہلے اور سب سے طاقتور مگر غیر مستقل مزاج بالاجی راؤ پیشوا تھے۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۰۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے بسین کے مقام پر صلح کر کے انہوں نے اپنی خود مختاری کا خاتمہ کیا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ۳۰ دسمبر ۱۸۰۳ء کو مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نے بھی صلحنامہ پر

دستخط کر کے انگریزوں کے باجگزار بن گئے۔ اور مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر نے گو عرصہ تک کمپنی سرکار کے آگے گردن نہیں جھکائی۔ مگر مجبور ہو کر آخر انہوں نے بھی، دسمبر ۱۸۰۵ء میں دریائے بناس کے کنارہ کمپنی کے شرائط کو منظور کر لیا جس کی رو سے مالوہ کا کل مقبوضہ علاقہ اور دکہن کے بیشتر مقبوضات ان کو واپس دیدیئے گئے۔

سب سے آخر میں کمپنی سرکار نے نواب محمد امیر خاں کی طرف دوستانہ ہاتھ بڑھایا۔ جس کے نتیجے میں وہ صلحنامہ ہے جو ۹ر نومبر ۱۸۱۷ء کو نافذ ہوا۔ جسکی رو سے پرگنات سرونج، پڑاوہ، نیماہیڑہ، چھبڑہ اور ٹونک جو معاہدہ تقسیم ملکی کی تعمیل میں مہاراجہ ہلکر کی طرف سے نواب امیرالدولہ کے قبضہ میں پہلے دیئے جا چکے تھے۔ بدستور نواب کے مالکانہ اقتدار میں تسلیم کیئے گئے۔ اور پرگنہ رامپورہ گورنمنٹ ہند کی طرف سے اضافہ کیا گیا۔

جسونت راؤ ہلکر کو مہاراجہ ہلکر بنانے والے، باجے راؤ پیشوا کو زیر کرنے والے، دولت راؤ سندھیا سے اپنا لوہا منوانے والے، نظام دکہن اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایک کروڑ روپیہ سالانہ آمدنی کا ملک دیے جانے پر، اس سے بلحاظ خود داری انحراف کرنے والے۔ اور اس پر بھی ۱۸ لاکھ کی آمدنی کے علاقہ کی مزید پیشکش کو نامنظور کرنے والے، گائیکواڑ اور بھونسلہ سے بزور شمشیر چوتھ وصول کرنے والے اور راجپوتانہ کی ریاستوں سے ہر سال خراج لینے والے نیز ان کے آپسی جھگڑوں میں ثالث بن کر صلح کرانے والے۔ مہاراجہ ہلکر کے لبعد بھی ریاست اندور کو دھرمان چلنے کے شر سے نجات دلانے والے، روہیلہ پٹھانوں میں جنگجوئی کی روح پھر سے پھونکنے والے، ریاست بھوپال کے ساتھ قدیم حق نمک کا لحاظ کرتے ہوئے رواداری برتنے والے، مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب

کے دوست بن کر ایک ماہ سے زائد عرصہ تک معزز مہمان رہنے والے، اور انگریز کے کمانڈر جرنیل آرتھر ولزلی کو جس نے آگے چل کر نیپولین اعظم کو اندلس کے میدان میں شکست دی ہو اسے شکست نہ سہی تو اپنا لوہا منوا لینے والے۔ اپنے وقت کے روہیلہ پٹھانوں کے سب سے بڑے سردار اور ہندوستانی بہادروں کے جرنیل اور ہندوستان، ہندوستانیوں کا ہے نعرہ لگانے والے امیر الدولہ نواب محمد امیر خاں ہی تھے۔

اس میں شک نہیں کہ نواب امیر الدولہ بہادر، اپنے عظیم کارناموں فنونِ حرب کی قابلیت، ذاتی شجاعت، استقلال وہمت، آزاد روح، نیشنل اسپرٹ، اور فاتحانہ اولوالعزمیوں کی بدولت امیرِ اعظم کہلانے کے مستحق ہیں۔

چنانچہ انکو جس جوہر نے ایک اسلامی ریاست کا مالک بنایا وہ بھی ان کی وقت شناسی تھی۔ جو کہ ایک چھوٹی سی ریاست پر قانع ہو جانے اور مشیت ایزدی پر سر تسلیم خم کر لینے سے ظاہر ہے۔ ورنہ تو ایسا فاتح اور صاحب شمشیر جس کی کمان میں ۸۰ ہزار دلیران ہند اس وقت ہوں۔ اگر قناعت کے دائرے سے باہر نکلنا چاہتا تو راجپوتانہ اور مالوہ اس کے زیر نگیں ہوتے۔ امیر اعظم کی عقیدت سے خود انکی مہر پر یہ مصرع کندہ ہونا ان کے صوفیانہ اوصاف کا ترجمان ہے۔

”خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را“

انگریزوں نے جملہ مرہٹہ سرداروں کو زیر کر لینے کے بعد بھی اطمینان کا سانس اس وقت تک نہ لیا۔ جب تک کہ نواب محمد امیر خاں سے صلح نہ کر لی۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کام میں لی گئی۔ ملک ومال کا لالچ جب بے کار ثابت ہوا۔ تو نواب کی طاقت کا اندازہ کر کے تین لاکھ کا ایک جرار لشکر جو اس سے قبل انگریزوں نے کسی بھی ہندوستانی رئیس کے مقابلہ میں

اکٹھا نہیں کیا تھا۔ ایسے نازک وقت لاکھڑا کیا۔ جبکہ انہوں نے صرف تین سو سواروں سے قلعہ راجپورہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ پس ایسے نازک وقت پر بھی دشمن سے زیر نہ ہونا ایک سورما ہی کا کام ہے۔ چنانچہ صلحنامہ کی معززانہ شرائط اور بخشیدہ اعزار سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ نواب محمد امیر خاں کی ہیبت دقار اور سیاست کا اقتدار انگریزوں کی نظر میں کس قدر بلند تھا۔

امیر اعظم کی شخصیت کی حیثیت کا مزار آج بھی ٹونک کے گورِ غریبان میں جسے موتی باغ کہتے ہیں۔ زیارت کیا جا سکتا ہے۔

ابتدا میں وہ شریعت اسلام کے مطابق خام تھا۔ پھر ان کے جانشین وزیرالدولہ اور ان کے جانشین محمد علی خاں کے زمانہ تک خام رہا کیوں کہ یہ دو نوابان عقیدۃً غیر مقلد تھے۔ مگر تیسرے نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں کے لڑکپنی عہد میں ان کے چچا عبیداللہ خاں نائب الریاست کے دور میں پختہ سنگِ مر مر سے تعمیر کیا گیا۔ مگر علماء و عدالت شریعت کے اثرات سے نواب محمد امیر خاں یا کسی بھی رئیسِ ٹونک کا عرس قائم نہیں کیا گیا۔ مگر بعد میں دیگر بزرگان دین و شہدا کا عرس منایا جانے لگا۔ مثلاً نو غزہ صاحب کا عرس، موہنا منصور صاحب کا عرس، سید محمد علی صاحب کا مزار واقع بہیر کا عرس۔ سید محمد علی صاحب کا مزار واقع چھاؤنی کا عرس، اور مولانا عرفان صاحب کا مزار واقع پال چتر بھج تالاب۔

نواب امیرالدولہ بہادر کے عہد نوابی کے مشاہیر

نواب امیرالدولہ کے اس عہد کے وزیر رائے داتا رام تھے۔ ان ہی کے نام سے

رائے جی کا تختہ منسوب ہوا۔ جو شہر ٹونک کی گنجان آبادی کا ایک محلّہ ہے۔ جہاں کچھ گھر کایستوں اور زیادہ تر بنیوں و بامنوں کے مکانات ہیں۔ رائے صاحب کا اقتدار اس درجہ تھا کہ نواب محمد امیر خاں کی مہر کے ساتھ جب تک کہ رائے صاحب کے دستخط نہیں ہوتے تھے وہ سند قابل تعمیل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ سیاق سباق کا کام زیادہ تر معتبر اہلکاروں کے سپرد تھا۔ اور احکامات پر بجائے دستخطوں کے مہر ثبت کی جاتی تھی۔

رائے صاحب اپنے مکان محلہ تختہ سے ہاتھی پر سوار ہو کر قلعہ معلّی کو نواب کی پیشی کرنے جایا کرتے۔ اور ان کی حویلی کے باہر ایک درجن سوار ہرکاروں کا پہرہ لگا رہتا تھا۔

نواب امیر الدولہ امیر الملک نے انگریزی سامراج کے خلاف جہاد کر کے ریاست ٹونک قائم کی تھی۔ جو راجستھان میں واحد مسلم ریاست تھی۔ جہاں پہلے کا تمدن کچھ بھی نہ تھا۔

ایسے تاریک ماحول میں اسلامی جلو غالب کرنے کے لئے نواب نے ہر باجوہر مہمان کا خیر مقدم شروع کیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں کثیر تعداد اہل سیف اور اہل علم کی جمع ہو گئی۔ اس لئے نواب کے ساتھ جہاں نبرد آزما تھے۔ وہاں سخنور مشاہیر و علماء دادبار بھی تھے۔ اس لئے کہ نواب گو خود پڑھے لکھے نہ تھے۔ مگر علم دوست و ادب نواز ضرور تھے۔

چنانچہ مولانا سید احمد صاحب شہید۔ اس دور کے بڑے مجاہد اور غازی ہوئے ہیں۔ اور جنہوں نے نواب کے لشکر میں سات سال تک ملازمت کی تھی۔ بعد میں اپنے جذبۂ جہاد سے سیکڑوں کارنامے انجام دیکر سرحد پر سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ نواب وزیر الدولہ آپ کے مرید تھے۔ آپ اس وقت

تک نواب محمد امیر خاں کے ساتھ رہے۔ جب تک کہ نواب انگریزوں سے لڑتے رہے۔ مگر جب نواب نے انگریزوں سے صلح کرلی۔ تو آپ علیحدہ ہوکر جہاد کرنے ہوئے سرحد تک جا پہنچے۔

حکیم سید انور علی صاحب رامپوری۔ آپ بڑے عالم اور حکیم تھے۔ رامپور سے آکر آپ نے ٹونک میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ نواب امیر خاں نے حکیم صاحب موصوف کو اپنے فرزند اکبر محمد وزیر خاں کا استاد اور اتالیق مقرر کیا۔ اس لئے حکیم صاحب نواب کے انتقال کے بعد وزیر الدولہ کے عہد میں بھی ٹونک ہی میں جمے رہے۔

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب۔ آپ رامپوری پٹھان تھے۔ جو نواب محمد امیر خاں کے ساتھ ٹونک آئے تھے۔ بڑے جید عالم اور زبردست فاضل تھے۔ آپ ہی کے خاندان نے ٹونک میں علم دین اور شریعت حنفیہ کو سنبھالا تھا۔ آپ ہی نے موتی باغ کے مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی جو آج تک چل رہا ہے۔ آپ کو علوم منقولہ وغیر منقولہ میں کافی دسترس تھی۔ اور عربی و فارسی دونوں زبانوں پر بڑا عبور تھا۔

فقیر محمد صاحب گویا۔ نواب محمد امیر خاں کے ہمراہ لشکر میں آئے تھے۔ اچھے فوجی مدبر ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ جوش ملیح آبادی کے جد امجد تھے اسی نسبت سے جوش صاحب کو ٹونک سے خاص رغبت تھی

مولوی محمد صاحب۔ اچھے عالم ہونے کے علاوہ علم فقہ کے ماہر تھے۔ رامپور میں آپ کا شمار بڑے علماء میں کیا جاتا تھا۔ نواب محمد امیر خاں سے رفاقت ہوجانے کے بعد نواب نے آپ کو مفتی مقرر کیا تھا۔ اس لئے آپ نے ٹونک میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ مولانا نے دورِ وزیری میں انتقال کیا۔

مولوی سعید اللہ صاحب۔ جامع مسجد ٹونک کے پہلے خطیب مقرر کئے گئے۔ آپ نواب کے مقربین میں سے بھی تھے۔ اور علاوہ علمی قابلیت کے آواز

نہایت دلکش تھی ۔ اور قرأت بے مثل ۔

مختارالدولہ محمود خاں صاحب ۔ آپ نے نواب محمد امیر خاں کے ساتھ دوش بدوش جنگل در جنگل ۔ اور میدان در میدان جنگیں کی ہیں ۔ گویا عساکر امیری کی شان و شوکت حقیقت میں محمود خاں سے تھی ۔ جن کی شکل و صورت اور حسنیات نورانیت کے علاوہ ایک انسانی شکل میں شیر جیسی تھی ۔ اور آپ نواب کے بہت مقرب اور معتمد تھے ۔ آپ خود تو عالم نہ تھے ۔ مگر عالموں کے بڑے قدردان تھے ۔ آپ کو سلحہ خانہ اور کتب خانہ رکھنے کا شوق خاص تھا ۔ مردانہ حسن خاندان کا بڑا وصف ہے ۔ آپ کی بے مثل حویلی مثل قلعہ کے آج بھی پرانے ٹونک میں اپنے بنانے والے مکین کی شان اور علم دوستی کی ترجمان ہے ۔ اس کی دیواروں پر لکھے ہوئے اشعار سے انکی رغبت علم ہیئت و جغرافیہ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے ۔

اخونزادہ محمد ایاز خاں صاحب ۔ آپ نواب محمد امیر خاں کے خسر ہونے کے علاوہ ، بڑے مردِ میدان ، اہل سیف ، شجاع اور جری پٹھان تھے ۔ بھاولپور میں آپ کی ہزاروں کی جائیداد تھی ۔ لیکن نواب کی رفاقت نے ٹونک کو اپنا گھر بنا لیا تھا ۔ اور یہیں بود و باش اختیار کرلی تھی ۔ وزیرالدولہ آپ ہی کے نواسے تھے ۔

رائے داتا رام صاحب ۔ یہ وہی وزیر ریاست ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔ آپ بھوپال میں دیوان تھے ۔ اور نواب امیر خاں کی رفاقت و حمایت جو اس وقت وہاں قلعہ دار تھے ۔ آپ نے ریاست کی ملازمت سے بسبب نارافگی استعفیٰ دیدیا تھا ۔ اور بس اسی وقت سے نواب کے مشیر اور رفیق کار بن گئے تھے ۔ اور ریاست ٹونک بننے کے وقت نواب کے قانونی مشیر تھے ۔

اور انگریزوں سے صلحنامہ ہوتے وقت نواب کے سفیر بھی تھے۔ اور آپ ہی نے اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے انگریزوں سے دشوار گذار حالات میں معززانہ صلح کرائی اور نواب کو صلح نامہ کر لینے کے لئے بادل ناخواستہ ہی سہی مجبور کیا۔ کیوں کہ نواب تو بپھرے شیر کی طرح انگریزوں سے صلح کرنے کے خلاف تھے۔ اسی لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزوں نے رائے صاحب کو اپنی طرف توڑ لیا تھا۔ مگر یہ بات غلط ہے اس لئے کہ رائے صاحب یا انکی اولاد کا انگریزوں سے کسی بھی طرح مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ آپ آخیر عمر تک نواب کے وفادار اور خیراندیش رہے۔

رائے نرنجن لال صاحب۔ آپ نواب کی طرف سے ریاست بے پور کے سفیر تھے۔ اور صلح نامہ کی شرائط انگریزوں سے طے کرنے میں روح رواں تھے۔ آخری عمر میں ٹونک ہی میں بس گئے تھے۔ جہاں اس وقت کائستوں کے تقریباً دو سو (۲۰۰) گھر یوپی سے آکر آباد ہوئے تھے۔

شہادت خاں صاحب اور محمد شاہ خاں ثانی نواب کے نامی رسالدار تھے۔ اور صلح نامہ کے بعد عساکر امیری کی تعداد نہایت کم کر دینے کے بعد بھی فوج ریاست میں اعلیٰ عہدے دار تھے۔

منشی بساون لال صاحب کائستھ۔ جو کہ امیر نامہ کے مصنف ہیں، اس وقت کے اہل قلم مصنف مورخ اور دبیر کامل گذرے ہیں۔ آپ بھی تختہ ہی میں آباد ہو گئے تھے۔

وزیرالدولہ امیرالملک نواب محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ

۱۸۳۴ء عیسوی سے ۱۸۶۵ء عیسوی تک

مہر۔ خداہست سلطان محمد وزیر۔

۲۷ رجمادی الثانی سنہ ۱۲۵۰ھ کو جب آپ نے مسند امیری پر جلوس فرمایا تو، دربار وزیری مشاغل رزم و بزم۔ علم و قلم، سیاست و حکمت اور علم و عمل کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ خود عالم تھے۔ کیوں کہ آپ کی تعلیم شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے مدرسہ میں ہوئی تھی۔ اور انہوں نے غیر مقلد علماء کی صحبت میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے شریعت اسلام اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پابند تھے۔ اسی لئے ماہر فن علم و فضل و ہنر چہار اطراف ہند سے سمٹ کر شمع وزیری کے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ اور یہ اسی محفل کا طفیل ہے کہ آج بھی ٹونک میں بکثرت حفاظ ہر سال بنتے رہتے ہیں۔ مگر عالم بننے میں بڑی کمی ہو چکی ہے۔ غرض سب سے پہلا مدرسہ جو ٹونک میں کھولا گیا۔ وہ مدرسہ امیریہ تھا۔ جس کے درس جامع مسجد کے بارہ دریوں میں ہوتے تھے۔ اس کے بعد مسجد قافلہ میں مدرسہ ناصریہ کھولا گیا۔ اس لئے کچھ ہی عرصہ کے بعد عہد وزیری میں دین حنفی کا یہ گہوارہ بدعتوں سے پاک ایک صاف ستھرا خوبصورت شہر بن گیا۔

نواب نے سب سے پہلے صیغۂ حال کی طرف توجہ کی اور ہلکروں کے نظام

کی تقلید میں شخصی اجارہ کا جو طریقہ شروع میں جاری تھا۔ اسے قطعی بند کر کے دیہات کو خالصہ سرکار کیا۔ اور ہر پندرہ بیس دیہات پر ایک محصل ضلع دار کے نام سے مقرر کر کے ہر گاؤں کا جداگانہ اجارہ دیا گیا۔ حلقہ کا ضلعدار مستاجروں سے مالگزاری سرکاری وصول کرنے کا ذمہ دار تھا۔ کمزور کاشتکاروں کی اعانت کے لئے غلہ کی تقسیم کرنی کو بھی رواج دیا گیا۔ عدالتی انتظام نواب چونکہ عالم باعمل تھے اور احادیث نبوی کے پیرو بھی تھے۔ اور ظاہر کے عقائد میں فقہ حنفی کے مقلد تھے۔ اگرچہ حقیقت میں مائل بہ غیر مقلدی تھے۔ اس لئے تمام شرعی عدالتوں کو از سر نو ترقی دیکر مفتی وقاضی اور پنڈت مقرر کئے گئے۔ خانگی بغاوت کا انسداد نواب امیر الدولہ بہادر نے پرگنہ سرونج پر اپنی ایک بیگم جنہیں مہاراجہ سندھیا نے تحفتہً پیش کیا تھا۔ موتی بیگم گوالیاری کے بھائی میاں منور محمد عرف میاں منو کو جن کے نام سے میاں منو کی حویلی سرونج میں ابتک بھی قابل دید موجود ہے۔ پرگنہ کا عامل اور مختار بنایا تھا۔ اس عہدہ پر وہ ۲۵ سال قائم رہے۔ مگر وزیر الدولہ کی مسند نشینی میاں منو کو مبارک نہ ہوئی۔ پس عاملانہ حیثیت سے تجاوز کر کے غاصبانہ روش اختیار کی۔ اور ایک سال تک پرگنہ کی آمدنی دارالحکومت کو روانہ نہیں کی۔ پس ان کے باغیانہ خیالات کی معلومات پر نواب نے مختارالدولہ محمود خاں کو رسالہ اور توپخانہ کے ساتھ چھبڑہ اور سرونج روانہ کیا۔

ادھر نواب عبدالکریم خاں جو کہ اعلیٰ یوپی کے پٹھان خاندان کی بیگم سے نواب امیر خاں کے فرزند تھے۔ گویا وزیر الدولہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ اور میاں منو کے داما بھی تھے۔ اپنے خسر یعنی میاں منو کے رفیق بغاوت بن گئے۔ غرض صف آرائی ہوئی اور میاں منو قلعہ بند کر کے لڑے مگر مقابلہ کی تاب نہ لاکر چھبڑہ کے قلعہ سے باہر نکلے اور راہ فرار اختیار کی تب صاحبزادہ عبدالکریم صاحب کو بھی اپنے سپرد کر کے مصالحت کرنا پڑی۔ مگر نواب کے ایما سے انہیں گورنمنٹ برطانیہ کے حاکم ایجنٹ نے

نہ چھیڑا ہ میں رہنے دیا نہ ٹونک میں - اور دو ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر کے اجمیر میں نظر
کر دیا - چنانچہ اجمیر میں نواب کا بیڑہ انہی کے نام سے ابتک بھی مشہور ہے - ان
کے دو صاحبزادہ تھے - بڑے حامد خاں اور چھوٹے محمد خاں - حامد خاں کے فرزند
صاحبزادہ کالے میاں تھے - اور محمد خاں کے صاجزادہ اسامہ خاں تھے - چنانچہ
راقم الحروف کے دادا بایزید خاں صاحب نواب عبدالکریم خاں صاحب کی نظر بندی
بمقام اجمیر کے زمانہ میں پہلے رامپور سے چلکر سہانپور آئے - اور پھر سہارنپور
سے اجمیر آکر نواب عبدالکریم خاں کے انتقال کے بعد جب صاحبزادگان کو ٹونک لایا
گیا تب ہمارے دادا صاحب معہ اپنے اہل و عیال کے اور خاندانی اعزا کے صاجزادہ
حامد خاں کے ساتھ ٹونک آگئے - اور تا زیست ان کے مصاحب رہے - ابتدائی
قیام ہمارے خاندان کا اس احاطہ کے میدان میں ہوا - جسے اب قلعدار کا گھیر
کہتے ہیں -

اجمیر کے قیام کے زمانہ میں میرے والد محمد گلباز خاں صاحب کا عہد طفلی گذ
اگرچہ کہ پیدائش سہانپور میں ہوئی تھی - اجمیر اس زمانہ میں خواجہ علیہ الرحمۃ کے عرس
کے سبب ایک شہرۂ آفاق زیارت گاہ بن گیا تھا - اس لئے پہلوانوں کے دنگلوں کا
پبلک کو عام شوق تھا - اس لئے والد صاحب کو بھی کثرت اور کشتی کا شوق بجائے
تحصیل علم کے بڑھ گیا - جس کی وجہ سے عہد جوانی میں وہ ٹونک کے شرفا طبقہ
اور صاجزادگان کے پٹھوں کے استاد کہلائے جانے لگے - اگرچہ کہ ملازمت
توپخانہ میں کی - اور حکیم امروہہ والوں کے مطب میں اور صحبت میں بیٹھنے سے
طب کے بہت سے تجربات حاصل کر لینے پر توپخانہ کی ملازمت ترک کر کے
اس وقت کے نواب ابراہیم علی خاں کے چھوٹے ہی چھوٹے بھائی صاجزادہ عبدالمجید
خاں کے کامدار اور طبیب خاص بن گئے تھے - اور بقیہ عمر وہیں گذار کر ہارٹ فیل

ہوجانے کے عارضہ میں اچانک ۱۷ جولائی ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔

اجمیر چونکہ صوبہ راجپوتانہ کا صدر مقام تھا۔ اور انگریز ایجنٹ گورنر جنرل کا دفتر اعلیٰ تھا اس لیئے انگریزی تعلیم کے مدارس وہاں کھول دیئے گئے۔ چنانچہ میرے چچا منشی نیاز علی خاں صاحب نے عہد طفلی میں اردو، فارسی وانگریزی کی تعلیم اچھی خاصی پائی۔ ٹونک منتقل ہوجانے کے بعد آپ کی شہرت انگریزی داں منشی کی حیثیت سے اور شاعر کی حیثیت سے ہوئی۔ آپ کا تخلص اسعد بھی رہا ہے۔ اور ٹونک میں آپکے شاگرد شاعروں میں صاحبزادہ بھائی جان عاشق بھی ہوئے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب کی ہجرت ٹونک کو اب سو برس ہو چکے ہیں۔ ویسے ہمارے اعزا سہارنپور آنولہ، رامپور اور فتح گڈھ یو۔ پی میں اب بھی ہیں۔

مختار الدولہ پرگنہ چھبڑہ کی مکدر رفضا کو درست کرکے سرونج آئے۔ اور چھ مہینے تک سرونج کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اور سب انتظامات جما کر پھر ٹونک آگئے۔ اس عہد کا مشہور واقعہ ۱۸۵۷ء غدر دہلی ہے۔

چنانچہ باغیوں کی فوج جنہیں انگریز لوگ کالوں کی فوج بھی کہتے ہیں۔ مدد طلب کرنے کے لیئے ٹونک بھی آئی۔ مگر وزیر الدولہ نے انگریزی سرکار سے عہد وپیمان اور وفا کو مقدم رکھتے ہوئے، مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کالوں کی فوج کو اپنی فوج کے ذریعہ حدود ٹونک سے ہٹ جانے اور چلدینے کے لیئے مجبور کیا۔ راجہ لادہ کی سرکشی پر یلغار بھی اسی عہد وزیری میں کی گئی۔ جس میں ناحق بہت سے فوجی پٹھان اور سید کام آئے۔ اور آخر میں صلح کرلی گئی۔

نوابؒ وزیرالدولہ بہادر پر ایکؒ نظر

نواب وزیرالدولہ کی شخصیت اپنی آپ ہی ایک مثال ہے۔ اس لیئے کہ آپ کا دربار نہایت مہذب اور عالمانہ شوکت اور سادگی کا تھا۔ جہاں قدمبوسی یا جھک کر نواب کو سلام کرنا ممنوع تھا۔ دربار کی شان یہ تھی کہ ایک طرف ناظمان و مدیران ریاست، نواب سے جہاں بانی کے آئین حاصل کرنے میں مصروف ہوتے تھے دوسری طرف افسران عساکر فن جنگ کا سبق لیتے تھے۔ کبھی آپ فقہی مسائل میں فقہا سے سرگرم مباحثہ رہتے تھے۔ اور کبھی محدثین و مفسرین سے اصول روایت پر گفتگو کرتے تھے حکمانے کوئی سوال کیا تو فلسفہ قدیم و جدید کے دفتر کھول دیتے۔ اطبا نے اگر اخلاط کی بحث چھیڑی تو علل داسباب پر گھنٹوں تقریر کرتے تھے۔ مورخین نے استفادہ چاہا تو قوتِ حافظہ نے تاریخ عالم کی داستانیں بیان کر ڈالیں۔ آپ کی تقریر کے جملے کانِ ادب کے جواہر ریزے ہوتے تھے۔ بیان میں صداقت اور صداقت میں اثر ہوتا تھا۔ دلی اور لکھنؤ کے اہل علم و کمال قدر دانی کی کشش سے ٹونک میں اس قدر جمع ہو گئے تھے کہ ٹونک اس وقت ہندوستان کا شیراز نظر آتا تھا۔

نوابان و روساء میں حیا و نیک چلنی کی عموماً کمی ہوتی تھی۔ مگر وزیرالدولہ بہادر کے حرم میں سونے کے کمرہ میں نصف شب کے بعد اندھیرا کر دیا جاتا تھا۔ اور کسی بھی مرد یا عورت کے علم میں نواب کی شرعی نقل و حرکت نہ آسکتی تھی۔ اور نہ فرائض ازدواجی کا کسی کو علم ہونے پاتا تھا۔ حتیٰ کے آپ کی بیگمات نے بھی آپ کو برہنہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ گفتگو میں ہر جملہ پر "اللہ کی نیاز سے" ورد زبان ہوتا تھا۔

نواب وزیرالدولہ کا قلب اعمالِ حسنہ کا مظہر تھا۔ سینہ عفو و رحم اخلاص و محبت

کا مصدر تھا۔ متانت، شرافت، وقار، تمکنت، معدلت، سخاوت، تہذیب واخلاق، آپ کے وہ جوہر تھے۔ جن کی آب و تاب نے، رؤسا معاصرین ہند میں آپ کو ممتاز بنا دیا تھا۔ پیروی شریعت اور اتباع سنت کے بہت پابند تھے۔ شرک و بدعات اور غیر اسلامی رسومات کا نام و نشان تک نہ تھا۔

یہی وہ صفت تھی جس کی طرف مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے ایک مدحیہ قصیدہ میں اس طرح مخاطب کیا ہے ؎

حقا کہ زنام تو عیان است کہ در شرع
فرزانہ وزیری شہِ بطحیٰ و حرم را

دربارِ وزیری کو شاہان تیموریہ کے دربار کے نمونہ پر، خلاف شرع لغزشوں کا لحاظ رکھتے ہوئے، آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ خود نواب وزیرالدولہ زمانۂ ولیعہدی میں تقریباً دو سال تک دہلی میں قیام پذیر بحیثیت طالب علم رہے تھے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے تکمیل علوم کی کی تھی۔ اور سید احمد صاحب شہید علیہ الرحمۃ سے بیعت ہو کر علوم باطنی حاصل کئے تھے۔ پھر مسند نشینی پر آپ کے خالو بادشاہ بہادر شاہ ظفر، آخری فرمانروائے مغلیہ سے نواب کو امیرالملک نصرت جنگ بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ سرونج میں صاحبزادگی کے دور میں آپ کا عقد ایک غیر مسلم خاندان کی لڑکی سے ہو گیا تھا۔ جن کے بطن سے صاحبزادہ محمد علی خاں تھے اور وہ ابتدا میں ولیعہد نہ تھے۔

حافظ نواب وزیرالدولہ بہادر کی اولاد کا شجرہ

محمد وزیر خاں

صاحبزادہ فیض محمد خاں ۔ نصیر محمد خاں ۔ محمد نذیر خاں ۔ محمد علی خاں

(پادشاہ بیگم سے) (سلطان جہاں بیگم گوالیار سے) (سرونج والی نومسلم بیگم سے)

عبدالرحمٰن خاں ۔ عبیداللہ خاں ۔ عبداللہ خاں

نواب وزیرالدولہ بہادر کے عہد کے مشاہیر

نواب وزیرالدولہ کے تخت نشین ہوتے ہی ٹونک صحیح معنی میں دینی علم وادب کا گہوارہ بن گیا۔ چونکہ شہنشاہ دہلی بہادر شاہ ظفر، نواب کے خالو تھے۔ اس لیے نواب کی تربیت و تعلیم شاہی محلات میں ہوئی تھی۔ اس لیے نواب کا مزاج شاہی آداب ورسم و رواج کی طرف مائل تھا۔ ٹھاٹ اور رعب و دب سے حکومت کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ مگر ساتھ اکابر علمار ہند اور منتخب مشاہیر کو ٹونک بلاکر اور بڑے اعزاز واکرام دیکر آباد کرانے میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سید حیدر علی صاحب، حکیم دائم علی صاحب، مولوی عبدالمجید صاحب، مولوی علی احمد صاحب بہاری، مولوی احمد حسن خاں صاحب، مولوی سراج الرحمٰن صاحب، مولوی نجف علی صاحب جھجری،

حکیم نازش صاحب خیرآبادی، قابلِ ذکر ہیں۔ ان اسمائے گرامی کے علاوہ نواب زادہ احمد خاں، خانصاحب مولوی نوشہ میاں صاحب، صاحبزادہ عباد اللہ خاں صاحب صاحبزادہ احمد علی خاں رونق۔ شاعر جو نواب ابراہیم علی خاں کے عہد تک زندہ رہے۔ اور جوانی عمری ہی میں جے پور آکر محلہ باغ چوڑی والے میں کوٹھی نشین ہو گئے تھے۔ اور اس وقت سے جے پور کے تعظیمی سرداروں میں نمایاں گنے جانے لگے۔ آپ کے صاحبزادہ، علی احمد خاں تھے۔ اور ان کے بڑے صاحبزادہ حامد علی خاں تھے۔ جو عرصہ دراز تک ناظم ٹونک رہے ہے۔ اور گھنٹہ گھر ٹونک کی تعمیر ریاست کی طرف سے انہیں کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔ ان کے چوتھے نمبر کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ ولی احمد خاں منشی فاضل فارسی اور اردو، انگریزی ادب کے اچھے عالم تھے۔ اور آپ کی تحریر ان تینوں زبانوں میں بڑی معیاری اور بڑی خوشخط ہوتی تھی۔ آپ کا قیام تقریباً ساری عمر علیحدہ جے پور میں رہا۔ مگر ٹونک کے آخری نواب کے عہد میں کچھ عرصہ کے لئے ایکسٹرا ایڈیشنل وزیر بن کر بھی ٹونک آگئے تھے۔

مولانا حکیم سیّد حیدر علی صاحب رامپوری۔ آپ رامپور کے مشہور عالم اور قابلِ فخر ہستیوں میں سے تھے۔ اس وقت رامپور میں نواب کے امامی مذہب اختیار کر لینے اور شیعیت کے اثرات بڑھتے دیکھ کر آپ رامپور سے ٹونک آکر آباد ہو گئے تھے۔ جہاں نواب نے آپ کے علم و فضل سے متاثر ہو کر آپ کی بڑی قدر فرمائی۔ اور ریاست کا مدار المہام اور اپنا مشیر خاص بنا لیا۔ آپ کو علوم منقولہ و غیر منقولہ میں کافی دسترس تھی۔ اور عربی و فارسی دونوں زبانوں پر بڑا عبور تھا۔ (ٹونک کے نامی حکیم مورخ اور فارسی داں شاعر سید حکیم سعید میاں آپ کے بھتیجے تھے۔)

حکیم دائم علی صاحب۔ آپ بہار سے آکر نواب کے طبیب خاص اور شاہی معالج بنا لئے گئے۔ آپ کو طب میں ید طولیٰ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ

علوم مشرقیہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ خصوصاً فلسفہ میں آپ کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان حکیم صاحب ہی کے صاحبزادہ تھے۔ جو اپنے وقت میں علامہ حکیم برکات احمد صاحب کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہوئے۔

مولوی عبدالمجید صاحب۔ مولوی صاحب اپنی عرفیت سے نوشہ میاں مشہور ہیں۔ نوشہ میاں کا پل اور نوشہ میاں کی حویلی آج بھی موجود ہیں۔ آپ بہاولپور کے پٹھانوں میں بہت مشہور و متفخر تھے۔ لیکن ٹونک میں علم دین کا اقتدار و فروغ سن کر ٹونک آ گئے تھے۔ اور پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ علوم شرقیہ کے تبحر عالم اور بہترین خطاط بھی تھے۔ آپ کی تصانیف اور علمی شاہکار اب بھی ٹونک اور دوسرے مقامات میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ خطاطی میں وہ کمال حاصل تھا کہ خط میں خط اور سیاہی میں سیاہی ملا دیتے تھے بلکہ بہت سے خطوں کو نئی نئی ترکیبوں سے لکھنے کے موجد تھے۔ غرض انہی کمالات کی قدر میں نواب نے اپنی ایک صاحبزادی آپکے عقد میں دیدی تھی۔ اور محلات شاہی میں اسی وجہ سے اور بھی ارفع مقام ہو گیا تھا ٹونک میں اطمینانی قیام کے بعد آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اور پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں درس حدیث لیا۔ اور سند حاصل کی۔ مکہ معظمہ سے آپ ایک پودا کھجور کا لائے اور اسے اپنے گھر ٹونک میں بویا۔ اور وہ بڑا ہو گیا۔ اسی مناسبت سے آپ کی حویلی کھجور والی حویلی کے نام سے موسوم ہے۔

صاحبزادہ نواب عبدالکریم خاں۔ آپ نواب وزیرالدولہ کے سوتیلے بھائی تھے اور میاں منور محمد خاں عرف میاں منو کے جو کہ نواب محمد امیر خاں کے سالے تھے۔ داماد تھے۔ میاں منو نے چھبڑے کے قلعہ میں بیٹھ کر نواب وزیرالدولہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور جس میں نواب عبدالکریم خاں کی بھی اعانت شامل تھی۔ اس لئے انگریزوں نے میاں منو کو سرونج کی مختاری سے معزول کیا۔ اور نواب عبدالکریم خاں کو

نظر بند کر کے اجمیر میں بسایا وہیں آپ کی ملاقات میر ممنون سے بھی ہوئی۔ آپ خود بھی شاعر تھے اور شوق تخلص کرتے تھے۔ اور میر ممنون کا دیوان صاحبزادہ کے پاس انکے کتب خانہ میں دستیاب ہوا تھا۔ جو ابتک محفوظ ہے۔

نواب فارسی اور اردو کے بڑے پایہ کے ادیب تھے۔ اور بہت سے شعراء ادباء اور اہل سیف علما کو نوازا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال اجمیر ہی میں ہوا۔ اور غالباً وہیں قبر بھی ہے۔

مولوی سراج الدولہ سراج احمد۔ آپ نواب وزیر الدولہ کے دوسرے پیر تھے پہلے پیر شاہ سید احمد بریلوی تھے۔ مگر ان کے سرحد پر، سکھوں کے مقابلہ میں شہید ہو جانے پر نواب نے مولوی سراج احمد صاحب کو اپنا روحانی استاد بنالیا تھا۔ اور سراج الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ اور روزانہ اپنے پیر کے سلام کو انکے گھر خود جاتے تھے۔ اور جس دن کسی مجبوری سے نہ جا پاتے تھے تو پانچسو اشرفیاں نظر ہو جاتے تھے۔ مگر اس قدر عقیدت اور خدمت کے باوجود مولوی سراج احمد نے اپنے ہی محسن اور مربی کو آم کے رس میں زہر دیدیا۔ تب ہی ان کو شہر بدر کر دیا گیا۔ اور ان کی حویلی صاحبزادہ محمود خاں کو دیدی گئی۔ صاحبزادہ محمود خاں نواب کے ایک راجپوتی محل کے فرزند تھے۔ ان کے صاحبزادہ، حنیف خاں جو آگے کی نسل میں نواب محمد ابراہیم علی خاں کے بڑے با اثر مشیر تھے۔ ان کے بھی دو بھائی اور تھے۔ (صاحبزادہ کلو میاں اور صاحبزادہ مولوی احمد سعید خاں)

دیوان شمس الدین۔ مولوی شیخ شمس الدین صاحب کا گھر مسجد قافلہ کے سامنے والے بڑے دروازہ کے سامنے ہے۔ آپ ٹونک کے متبحر عالم، دانشور مدبر، منتظم اور صاحب تصنیف عالم تھے۔ اور اپنے دیوان ریاست ہونے کے دور میں آپ نے حسن انتظام میں، چار چاند لگا دئے تھے۔

لالہ نرنجن لال :۔ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ فارسی ادب میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور فن خطوط نویسی کے ماہر تھے۔ نواب محمد امیر خاں کی انگریزوں سے صلح کے وقت درمیانی گفتگو میں لالہ جی ہی نے نمایندگی کے فرائض بڑے خلوص کے ساتھ انجام دیئے تھے۔ اور دستاویز پر نواب کی طرف سے لالہ جی ہی نے مہر نواب کے ساتھ اپنے دستخط کئے تھے۔ نواب محمد امیر خاں کے بعد دو دور وزیری میں آپ ریاست سے منسلک رہے۔ اور ریاست کے حسن انتظام میں آپ کی خدمات بڑی قابل قدر ہیں۔

مولوی نجف علی صاحب :۔ آپ عربی فارسی اور اردو کے متبحر عالم تھے۔ اور عبرانی و پہلوی کے بھی فاضل تھے۔ نواب محمد علی خاں کے ساتھ جاکر وہاں بھی، تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ اور اپنی بڑی عمر تک وہیں رہے۔ اور نواب کے کتب خانہ کو بھی سنبھالتے رہے۔ ان کی کل تصانیف اور ترجمے ستر سے زائد بتائے جاتے ہیں۔ جن میں شرح مقامات حریری، فتوحات عراق، فتوحات عجم وغیرہ کافی مشہور ہیں۔ آپ دو دور ابراہیمی تک بھی رہے۔ اور نواب ابراہیم علی خاں صاحب کی فرمائش پر بنارس سے ٹونک تشریف لے آئے۔ اور یہیں انتقال فرمایا۔ ریاست کے انتظام میں بھی آپ کی خدمات پائی جاتی ہیں۔ ان خدمات کی بدولت نواب ٹونک نے تاج العلماء اور قلزم العلوم کے خطابات مع انعامات کے عطا فرمائے۔

ان نامور مشاہیر کے علاوہ اسی دور میں اور بھی مشہور اہل قلم اور اہل سیف ہوئے ہیں۔ مثلاً سید افضل حسین صاحب خیر آبادی تھے جو متبحر عالم تھے۔ آپ کی ملاقات نواب وزیرالدولہ سے دہلی میں ہوئی تھی اور نواب کی طرف سے آپ سفیر ٹونک بھی رہے۔ مولوی ولی محمد کھلتی، حافظ وجیہ الدین صدیقی،

مولوی بشیر الدین سشیر کوٹی، سید حمید الدین جنیدی، مولانا ارشاد حسین خیرآبادی۔ مولوی الٰہی بخش ناز کش شاگرد امیر دہلوی اور کئی علماء دربار وزیری کے تابندہ تارے تھے۔

یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں بہادر صولت جنگ

۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک

نواب وزیر الدولہ کی حیات میں ان کے تین لڑکے صاحبزادہ فیض محمد خاں نصیر محمد خاں اور محمد نذیر خاں کے انتقال کر جانے پر انگریزوں نے صاحبزادہ محمد علی خاں کو ولیعہد مقرر کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی نواب وزیر الدولہ بھی کچھ عرصہ علیل رہکر انتقال فرما گئے۔ ان کی قبر موتی باغ کے قبرستان میں کچی حالت میں بدستور سالم ہے۔

نواب محمد علی خاں کی مسند نشینی جنوری ۱۸۶۵ء میں ہوئی تھی۔ لیکن ، ۲۰ر دسمبر ۱۸۶۷ء کو ہی معزول کر دیے گئے۔ اور بقیہ عمر یعنی ۲۸ر اگست ۱۸۹۵ء تک بنارس میں بحیثیت نظر بند رئیس کے گذاری۔ اس تمام عرصہ آپ کا شغل دینی علوم کا مطالعہ اور ترویج تھا۔ چنانچہ آپکا کتب خانہ بڑا نامی تھا۔ ان کی بنوائی ہوئی، نواب کی مسجد، اور نواب کا عربی مدرسہ اب بھی موجود ہیں۔

مسند نشینی کے بعد ہی ان میں توسیع ملکی کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ لاوہ کے ٹھاکروں کی سرکشی پر انہیں بہلا پھسلا کر ٹونک بلا یا گیا۔ مگر معاملات ان کی منشا کے مطابق طے نہ ہونے پر وہ بگڑ کھڑے ہوئے۔ اس پر سید سرور شاہ مدار المہام ریاست نے جوش میں آکر بغیر نواب سے پوچھے ہوئے ولایتی پٹھانوں کو ان پر چھوڑ دیا۔ اور آن کی آن میں تلواروں کے چمکنے پر کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ یہ واقعہ

محلہ رجبن کی ایک پختہ حویلی میں ہوا تھا۔ جہاں لادہ کے وہ ٹھاکر ٹھہرائے گئے تھے۔ اس حویلی میں تلواروں سے کٹاؤ کے نشانات پتھر کی محرابوں پر اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس حویلی میں اب صاحبزادہ اکرام الدین خاں صاحب رہتے ہیں۔

انگریزوں نے اس دردناک واقعہ کو نواب کی ذمہ داری بلکہ ایماء قرار دیکر ۲۰ر دسمبر ۱۸۶۷ء کو نواب کو معزول کر کے ان بڑے صاحبزادہ حافظ محمد ابراہیم علی خاں کو مسند نشین کیا۔ تب ہی سے نواب بحالت نظر بندی ۲۸ سال تک بنارس میں رہے۔ اور ۲۸ر اگست ۱۸۹۵ء میں دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔ اس دور کی دیگر اصلاحات کے سلسلہ میں پہلی اصلاح یہ تھی کہ دفاتر میں فارسی کی جگہ اردو کو رائج کیا گیا۔ دوسری اصلاح اسٹامپ کا اجرا تھا۔ اس سے پہلے جملہ عرضیاں سادہ کاغذ پر ہوا کرتی تھیں۔ اس سے آمدنی ریاست میں اضافہ ہوا۔ اور دارالضرب سرونج سے محمد خانی سکہ بھی جاری ہونے لگا۔ اس سے پہلے بادشاہی یا انگریزی سکہ چلتا تھا۔

شجرہ نواب حافظ محمد علی خاں بہادر

۱۔ ولیعہد صاحبزادہ ابراہیم علی خاں
۲۔ صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں
۳۔ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں
۴۔ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں
۵۔ صاحبزادہ عبدالمجید خاں

(رامپوری بیگم سے پانچوں سگے بھائی تھے)

ان کی والدہ کی وہ حویلی ہے جہاں اب نشاط بیڑی فیکٹری ہے۔ اور جس کے باہر جمعرات کی ہاٹ بھرتی ہے۔

۱۔ صفی اللہ خاں ۲۔ عبدالصمد خاں ۳۔ محمد رفیق خاں ۴۔ محمد صدیق خاں (جداگانہ بیویوں سے)

نوٹ :-

صاحبزادہ نواب ابراہیم علی خاں کی پہلی مخیر پٹھانی زوجہ بیگم تھیں۔ یہ وہ محترمہ ہیں جنہوں نے مکہ اور مدینہ میں اپنی ذاتی دولت سے دائمی فیض جاری کیا۔ یعنی رباط بنوائیں۔ اور چھاؤنی کی جامع مسجد کی تعمیر میں اعانت کی اور انیارہ کی مسجد، کھاتولی کی مسجد بھی اپنی ذاتی رقم سے تعمیر کرائیں۔ اور ٹونک میں ریل لانے کے خیال کی ابتدا ء کی ان کا نام لاڈلی بیگم تھا۔

نواب معین الدولہ بہادر کے عہد کے مشاہیر

نواب محمد علی خاں خود جید عالم، علم نواز اور جامع صفات کے بزرگ تھے۔ اگرچہ ان کا دور نوابی بہت مختصر رہا۔ مگر علمی اور ادبی لحاظ سے بہت شاندار اور قابل ستائش ہے۔ کیوں کہ آپ نے بہترین دینی کتب فراہم کیں۔ اور ماہرین فنون اور مشاہیر علماء، فضلاء کو چہار سمت ہند سے بلاکر ٹونک میں نوازا۔ اور پھر جلا وطنی کی حالت میں بھی انہیں اپنے ساتھ بنارس لے گئے۔

آپ کے دور کے مشاہیر میں پہلے دیوان شمس الدین صاحب، اور پھر مولانا نجف علی صاحب تھے۔ جن کا حال نواب وزیر الدولہ کے مشاہیر میں لکھا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ استاد ظہیر دہلوی، اسد لکھنوی، مولانا سراج الحسن نوشہ میاں، بسمل خیر آبادی، انور صاحب دہلوی اور سید احمد علی صاحب سیماب ہیں۔

دیوان شمس الدین صاحب۔ دانشور، منتظم، فاضل، اور صاحب تصانیف عالم تھے، ایک طرف علوم شرقیہ سے بہرہ مند تھے تو دوسری طرف حسن انتظام

سیاست کے امور ونکات سے واقف کار تھے۔ آپ میں انتظامی صلاحیتیں بدرجۂ اتم تھیں۔ اسی لئے آپ ریاست کے مدارالمہام تھے۔ اور تین نوابوں کے دور میں اسی عہدہ پر قائم رہے۔ آپ اخیر دور وزیری میں مقرر ہوئے تھے۔ اور دورِ ابراہیمی میں انتقال کیا۔ آپ کو ریاستی امور سے جب بھی فرصت ملتی تھی تو کتب بینی اور تصنیف وتالیف میں اپنا قیمتی وقت گذارتے تھے۔ آپ نے اپنا پورا کتب خانہ جو تقریباً بیس ہزار کتب پر مشتمل تھا۔ مطالعہ کر رکھا تھا۔ اس لئے کہ ان کی سب ہی کتابوں پر دیوان صاحب کے نوشتے موجود ہیں۔ آپ کا مکان دیوان شمس الدین صاحب کے گھر سے دروازہ کے بائیں جانب واقع تھا۔ آپ دورِ وزیری و دورِ محمدی اور دورِ ابراہیمی کی نہایت معقول اور قابل ستائش یادگار تھے۔ آپ کے عہد کے نوٹس اور تحریرات اب تک ٹونک کی نایاب کتابوں پر رقوم ہیں۔ آپ غالباً لیجے پور کے محلہ لیساطیان کے باشندہ تھے مگر ٹونک آکر بلحاظ حق نمک کے معماران ریاست بن کر اپنی زندگی ٹونک کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی اور یہیں کی سرزمین میں سپرد خاک ہو کر اعلیٰ علیین کو جا پہنچے۔

مولوی سراج الرحمن صاحب۔ آپ کا ذکر پہلے تفصیل سے آچکا ہے مگر اب بقیہ حالات لکھے جاتے ہیں۔

جامع مسجد قافلہ ٹونک آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے تعمیر پذیر ہوئی۔ اور اس کی بارہ دری میں مدرسہ ناصریہ آپ ہی نے قائم فرمایا جس کے صدر مدرس بھی آپ ہی تھے۔ اور اس طرح سینکڑوں علماء وحفاظ آپ کی سرپرستی میں بنائے جا سکے۔ آپ نہ صرف عربی کے متبحر عالم تھے بلکہ فارسی کے بھی فاضل تھے۔ اور اردو ادب میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اور درس وتدریس میں ماہر فن تھے۔ آپ کی حیات کے بعد کے دور میں مولانا مولوی حافظ قاری حکیم وصوفی مولوی محمد علیؒ خان صاحب مولوی فاضل

و شاگرد قابل فخر (علامہ حکیم برکات احمد صاحبؒ) بھی اس کے صدر مدرس تاحیات رہے ہے۔ مصنف ہذا کی مولانا صاحب بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے چنانچہ ۱۹۶۱ء میں میرے رٹائیرڈ ہونے کے بعد ہی سے ان کی مردم شناس نظر مجھ پر پڑی اور کافی عرصہ کے بعد مختلف اثرات ڈال کر مجھے مدرسہ ناصریہ و مسجد قافلہ کی انتظامیہ کمیٹی کا جس کے موصوف صدر تھے مجھے سیکریٹری آنریری بنایا۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء سے ابتک میں مدرسہ ناصریہ کی سیکریٹری شپ کی خدمات انجام دیرہا ہوں۔ آپنے بعمر ۸۴ سال بمرض اختلاج قلب انتقال فرمایا۔ اور اپنے پیر و مرشد مولانا ردمیؒ صاحب کے مزار واقع بہیر میں آپ کی پائینتیوں دفن کیئے گئے۔

مولوی محمد حسن صاحب۔ آپ ۱۲۶۰ھ میں ٹونک آکر آباد ہوئے۔ اور بحیثیت مفتی مقرر ہوئے۔ آپ عربی فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ عربی تعلیم آپنے ٹونک قدیم یا لکھنؤ کے مشہور عالم مولوی امام الدین صاحب ٹونکی سے حاصل کی تھی۔ نواب محمد علی خاں صاحبؒ کی مصیبت کے ایام میں آپ ان کے ساتھ بنارس بھی رہے۔ اور ان کے انتقال کے بعد ریاست سے آپ کی پنشن بھی مقرر ہو گئی تھی۔

مولوی سید محمد علی صاحب عرف شبیر میاں۔ خواہر زادہ سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم روحانیات و تجلیات الٰہی سے معمور تھے آپ نے ماموں صاحب مرحوم کی تحریک جہاد کو سب سے پہلے مخزن احمدی کے نام سے تصنیف کیا۔ جو مسلم تحریک آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نواب ابراہیم علی خاں کے استاد بھی تھے۔ اسی لیئے رائے بریلی یوپی سے ٹونک آکر آباد ہوئے۔ اور محلہ قافلہ بلاک سادات کو بسایا اور ٹونک ہی میں ۱۲۶۷ھ میں انتقال کیا۔ مادۂ تاریخ وفات یہ ہے۔

"بقر دو کس رفت آں محب محمد"

آپ کی دوسری تصنیف سرور الغزون منظوم ہے یہ کتاب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی تصنیف فارسی نثر میں ہے۔ جس کو آپ نے فارسی نثر میں منظوم کیا ہے۔

حکیم عبدالعلی صاحب ٹونکی۔ عالم فاضل ہونے کے علاوہ بہترین حکیم حاذق تھے۔ اس کے علاوہ نواب محمد علی خاں کے استاد ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔ اس لئے نواب کے فیض سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

مولوی امام الدین صاحب ٹونکی۔ ٹونک کے علماء میں آپ کا مقام بھی بلند ہے۔ آپ پنج کوئی دروازہ پر رہتے تھے۔ وہاں آپ کی مسجد اور مدرسا اب بھی موجود ہیں۔ آپ اتنے جید عالم تھے، کہ دور دور کے طلباء تحصیل علم کے لئے آپ کے پاس آتے تھے۔ کیونکہ علم فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ مکہ اور مدینہ اور تمام ہی بلاد اسلامیہ میں جاتے اور شہرت پاتے تھے۔

مولوی سلطان محمد خاں۔ گرامی تخلص کرتے تھے۔ علوم شرقیہ سے پورے بہرہ مند تھے۔ اسی لئے نواب محمد علی خاں کے ساتھ بنارس جاکر علوم شرقیہ کی ترویج میں نمایاں رہے۔ آپ دہلی کے باشندہ تھے۔ مگر ٹونک آگئے تھے۔ اور پھر نواب کے ساتھ بنارس چلے گئے تھے۔ وہاں آپ نے سلطان الشعراء کا خطاب پایا۔

مولوی عبدالکریم صاحب۔ آپ حقیقت میں نواب محمد علی خاں کے دور کے بہترین مصنفین میں سے تھے۔ فتوح الاسلام منظوم میں آپ بھی مصنفین میں سے ایک ہیں۔ آپ کے علم وفضل کی وجہ سے نواب آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔

مولوی انوار الحق صاحب - آپ مولوی خیر الدین صاحب بشیر کوٹی کے فرزند تھے فتوح الاسلام کے ایک حصہ کے مصنف بھی ہیں۔ عالم اور مصنف ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے - فارسی ادب میں بے پایہ معلومات تھی۔

ان مشاہیر کے علاوہ صاحبزادہ وزیر محمد خاں ، صاحبزادہ عبداللہ خاں صاحبزادہ عبیداللہ خاں ، صاحبزادہ احمد خاں ، صاحبزادہ محمود خاں ، مولوی عبدالحی صاحب مولوی صغیر احمد صاحب ، قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی بھی مشاہیر علماء میں سے تھے۔

امین الدولہ وزیر الملکؒ

نواب حافظ ابراہیم علی خاں بہادر صولتِ جنگ

جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای

۱۸۶۷ء سے ۱۹۳۰ء تک

تاریخِ ولادت ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ، جس کا مادۂ تاریخ "مبارک بخت" ہے۔ نواب امین الدولہ کی اقبال مندی وارجمندی کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ انہیں یمین الدولہ بہادر نے اپنے ہاتھوں سے مسند نشین فرمایا۔ اور تبسم آمیز لہجہ میں یہ کہتے ہوئے توپوں کی سلامی کا حکم دیا ؎

کہ شہباز من صید دام تو شد
مرا بود دولت بنام تو شد

چونکہ آپ کی عمر اس وقت ۲۰ سال کی تھی۔ اس لئے ملکی انتظامات ایک کونسل عالیہ کے ذریعہ مسٹر بلبیر بہادر پولیٹیکل ایجنیٹ دیوٹی کی نگرانی میں طے پاتے رہے۔ کونسل عالیہ کے ممبران حسب ذیل ہیں۔

پہلے آئینی دور کے ممبران

۱۔ نواب امیر الدولہ کے فرزند صاحبزادہ حافظ محمد عباد اللہ خاں بہادر رکنِ اعلےٰ، ان کا ایک قصہ اب تک زبان زدِ عوام ہے۔ وہ یہ ہے کہ،

صاحبزادہ نواب کی پیشی کرنے جب جاتے تھے۔ تو ایک سونے کا ہار گلے میں ڈال لیتے تھے۔ اور واپس آنے پر اتار کر اسے خادم کے سپرد کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ شدت گرمی سے یہ عمل چوک گئے اور ہار کو اتار کر اپنے کمرے کی کھونٹی پر آویزاں کر دیا۔ اور سو گئے۔ ابھی کیوں کہ طعام تناول نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے نیند گہری نہ ہونے پائی تھی۔ اسی اثنا میں نوکر خاص نے کمرے میں آکر سونے کا ہار آویزاں دیکھا تو اتار کر اپنے پاس چھپا لیا۔ مگر اس کی یہ کار روائی صاحبزادہ نے خود دیکھ کر، مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور جاگ جانے پر ہار تلاش کرایا۔ جب کہیں نہ ملا اور اس خادم نے بھی اس کے ملنے سے انکار کیا تب فراخ دل اور چشم پوش صاحبزادہ رئیس نے یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کیا۔ کہ جس نے دیکھ لیا ہے وہ کہے گا نہیں۔ اور جس نے لیا ہے وہ دیگا نہیں۔

۲۔ افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ سر محمد عبداللہ خاں بہادر فیروز جنگ افسر مال ان کا ستارہ کبھی ٹونک میں انتہائی عروج پر تھا۔ ٹونک میں دربار ہائی اسکول انہیں کی تحریک میں کھولا گیا۔ کیونکہ یہ خود بھی انگریزی جانتے تھے۔ اور اسی لئے ان کے اثرات واقتدار حکام برطانیہ میں بہت بڑے چڑھے تھے۔ ٹونک میں فیروز باغ کی گول کوٹھی (گورنمنٹ کالج کے قریب ہے) ان ہی کی بنوائی ہوئی تھی۔ تاکہ انگریزی تمدن کے مطابق وہ افسران کے کلب کا کام دے سکے۔ ان خود کی رہائشی کوٹھیاں قابل دید ہیں۔ ان میں سے ایک میں جنرل پوسٹ آفس ہے۔ اور دوسریوں میں کھادی بھنڈار کے کارخانے ہیں۔ آپ چونکہ وزیرالدولہ کے راجپوتی محل سے تھے اس لئے دیگر راجپوتی ریاستوں میں بھی آپ کا بڑا وقار تھا۔ اور نواب وقت کے چچا ہونے کی وجہ سے نواب پر بھی بڑا اثر تھا۔ اس اقبال مندی کی وجہ خود ان میں بھی زمانہ شناسی، دور بینی اور ٹھاٹ دار زندگی

انصاف نوازی اور غرباء پروری تھی آپ کے صاحبزادگان دو علیحدہ بیگموں سے تھے۔ بڑے صاحبزادہ عبدالعلیم خاں تھے جو میئو کالج اجمیر کے تعلیم یافتہ تھے۔ اور دوسرے محل سے صاحبزادہ امانت اللہ خانصاحب تھے یہ بھی میئو کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ صاحبزادہ عبدالعلیم خاں صاحب کا انتقال کم سنی میں ہوا۔ اس کے بعد ہی آپ کے صاحبزادہ محمد امیر خاں صاحب نے باوجود میئو کالج اجمیر کے تعلیم یافتہ ہونے کے یہ تینوں کوٹھیاں پبلک کے مالدار افراد کو فروخت کر ڈالیں۔

۳۔ صاحبزادہ وزیر محمد خاں بہادر، معتمد الامراء، منتظم الملک۔ افسر انصاف

۴۔ مدیر الملک منشی سید ظہور علی خاں صاحب اٹاوی۔ اہل کار اعلیٰ یا میر منشی دفتر کونسل عالیہ۔

دو سال بعد جب نواب امین الدولہ بہادر قانونی عمر کو پہنچے تب حکمرانی کے اختیارات ملے اور صاحبزادہ سر محمد عبیداللہ خاں بہادر کو دستور اعظم یا نائب الریاست بنایا گیا۔ اور انگریزی عہد کی بہت سی باتیں انتظاماً رعایا کی بہبود کے لیئے مروج کی گئیں۔ مثلاً پولس کا انتظام بہتر کیا گیا جس سے چوروں اور لٹیروں کی حرکات و مظالم کا بڑا انسداد ہوا۔ شفاخانے ڈاکخانے، انگریزی مدارس ہر پرگنہ اور صدر میں کھولے گئے۔ اور میونسپلٹیاں بھی قائم کی گئیں۔

دوسرے آئینی دور کے، اراکین حسب ذیل تھے

۱۔ امین الدولہ وزیر الملک ہز ہائینس نواب حافظ سر محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ۔ پریسیڈنیٹ۔

۲۔ افتخار الامراء فخر الملک صاحبزادہ سر محمد عبیداللہ خاں بہادر، فیروز جنگ نائب الریاست یا وائس پریسیڈینٹ۔

مگر جب سنہ ۱۹۰۰ء میں نائب صاحب کا انتقال ہو گیا تو نجم الامراء احتشام الملک صاحبزادہ حافظ محمد عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ نائب الیٰ یاست بنائے گئے۔ آپ نواب کے سگے چھوٹے بھائی تھے۔

۳؎ شمس الامراء عمدۃ الملک صاحبزادہ احمد یار خاں بہادر فتح جنگ جرنیل افواج و منسٹر فوج۔

۴؎ خانصاحب محمد نجف خانصاحب پنجابی جو گورنمنٹ برطانیہ کے پنشنر جج تھے۔ ممبر جوڈیشل بنائے گئے۔ آپ ٹونک کے نہ تھے۔

۵؎ بابو ونایک راؤ رائے بہادر۔ فنانشل ممبر۔

۶؎ خانصاحب مرزا حامد علی خاں۔ دہلوی۔ اعتماد جنگ۔ نمایندہ یا وکیل ریاست۔

اس دور میں عدالتی انتظام، صیغۂ پولس، سائر، جنگلات، تعمیرات اور خصوصاً صیغۂ مال میں بہت کچھ اصلاحات ہوئیں۔ جس کی وجہ سے ترقی نمایاں ہوئی۔ اور ریاست کی آمدنی بڑھی۔ مطبع محمدی (اردو و انگریزی پریس) بھی اسی دور میں قائم ہوا۔ اس سے سرکاری گزٹ اور سرکاری اشتہارات کے طبع کرانے میں بڑی مدد ملنے لگی۔ زمانہ بتدریج ترقی پذیر تھا۔ اسی مناسبت سے نظام ملکی پیرایہ اصلاحات میں مزید تبدیلیاں چاہیں۔ جس کو امین الدولہ بہادر کی بیدار مغزی اور زمانہ شناسی نے محسوس فرماتے ہوئے سنہ ۱۹۰۳ء میں کونسل عالیہ کی از سر نو تنظیم کی۔ جو ذیل میں درج ہے۔

۱؎ افضل الامراء، منتظم الملک صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صاحب مظفر جنگ ممبر مال۔ (آپ بھی نواب کے سگے بھائی تھے)

۲؎ ممتاز الامراء، معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خاں صاحب دلیر جنگ ہوم ممبر

(آپ نواب کے چچا تھے)

۱۳ء مرزا محمد علی خانصاحب بہادر دہلوی - اعتماد جنگ ممبر جوڈیشل

۱۴ء رائے بہادر بابو دامودر راؤ - ممبر فنانشل

تین سال کے بعد فقیر سید افتخار الدین صاحب کی خدمات پنجاب گورنمنٹ سے مستعار حاصل کر کے انہیں ممبر مال بنایا گیا۔ پھر ایک سال کے بعد جب فقیر صاحب گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے سفیر مقرر ہو کر کابل بھیجے گئے تھے۔ تب خانصاحب محبوب عالم خاں صاحب پنجابی کا ان کی جگہ انتخاب ہوا۔ اور بابو دامودر راؤ کے رٹایرڈ ہونے پر۔ رائے بہادر موتی لال پنجابی ممبر فنانشل مقرر کئے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں جب محبوب عالم خاں اپنی اصلی خدمات پر پنجاب واپس گئے تو بابو موتی لال جی کو ممبر مال بنا دیا گیا۔ فنانشل کا صیغہ بھی ان کے پاس رہا۔ اسی عہد میں خزانہ کی عمارت تعمیر ہو کر اس پر فوج کا پہرہ تعینات کیا گیا۔ کورٹ آف وارڈ کی قائمی اور برطانیہ کے سکہ کا اجرا بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔ عوام اس سکہ کو کلدار روپیہ کہتے تھے۔ پولس کا تعلق نظامت سے ہٹا لیا گیا۔ اور صدر و پرگنات کا پولس فورس ایک سپرنٹنڈنٹ پولس کے ماتحت کیا گیا۔ اس عہدہ پر پہلے خاں صاحب محمد خاں اجمیری ہوئے۔ اور پھر سید جلال الدین حیدر خاں بہادر جو یوپی گورنمنٹ کے بڑے نامی رٹایرڈ سپرنٹنڈنٹ تھے مقرر کئے گئے۔ ان کا انتقال ٹونک ہی میں ہوا۔ آپ کی پختہ قبر معہ ایک چھتری کے قبرستان پار وملے پر اب بھی موجود ہے۔ ان کے بعد خان بہادر منشی غلام قادر خاں اور انوار الحق صاحب وکیل دہلوی یکے بعد دیگرے سپرنٹنڈنٹ پولس مقرر ہوئے۔ تب سے پولس کا تعلق ہوم ممبری سے ہو گیا۔ اگرچہ بعد میں انگریز، آئی۔ جی۔ پی۔ آنے لگے پولس کا صیغہ جوڈیشل ممبری کے ساتھ کر دیا گیا۔

چوتھے اصلاحی دور میں خان بہادر میر سید حسین خاں صاحب (نمایگ)

منفرادی ایکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر اجمیر کی خدمات گورنمنٹ برطانیہ سے ریاست میں منتقل کرائی گئیں۔ اور انہیں جوڈیشل ممبری کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ چنانچہ میر صاحب نے اپنی اعلیٰ قانونی استعداد اور تجربہ سے ریاست کو اس طرح مستفید کیا۔ کہ ذیل کے قوانین انگریزی سے اردو میں خود ترجمہ کر کے شائع کیا۔ مثلاً قانون میعاد سماعت قانون اسٹامپ، قانون رجسٹری، قانون سرٹیفکٹ، قانون جانشینی، قانون پیشہ حلف نامہ وغیرہ۔

سید صاحب رمضان المبارک میں چند دن علیل رہ کر ٹونک میں عین عید الفطر کے دن انتقال فرما گئے۔ سارے باشندگان ٹونک کو اس کا ملال ہوا۔ اور موصوف کا ذکر خیر اب تک بھی ہوتا ہے۔ جدید ترمیمی دور کا افتتاح بھی اسی دور میں ہوا۔ اس کے مہتمم ایم کہین صاحب تھے۔ ان کی خدمات ریاست نے گورنمنٹ برطانیہ سے حاصل کی تھیں۔ اختتام بندوبست کے بعد اہلکاران مال کی رہنمائی کے لئے قواعد ٹپواریان اور قواعد گرداوران دو کتابیں مسٹر ایم کہین صاحب نے بمنظوری دربار شائع کیں۔

امین الدولہ بہادر نے پولس کی مزید اصلاحات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپنی ریاست میں ایک آئرش انگریز مسٹر مالنس کی خدمات سنہ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ یو۔ پی سے منتقل کرائیں۔ صاحب موصوف نے پولس اور رعایا کی اس وقت کی حالت کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور پھر پولس ڈیپارٹمنٹ کی تنظیم کا سلسلہ شروع کیا۔ پولس کی تنخواہوں میں المضاعف اضافہ ہوا۔ اور سکہ کلدار ملنے لگا جو نواب شاہی سکہ سے دو تین آنے زیادہ تھا۔ اور انسپکٹر جنرل پولس کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اور صاحب موصوف نے مینول پولس ریاست ٹونک کے نام سے ایک نہایت کارآمد کتاب مرتب کی اور اسی ریاست ہی کے مطبع میں طبع کرا کے شائع کیا۔ اور تھانیداری کے

امیدواروں کو ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے ریاست کے خرچ پر مرادآباد بھیجا جانے لگا۔ ایسی زبردست کارگذاریوں کے بعد مسٹر ہالینس سنہ ۱۹۱۸ء میں ترقی پر یو۔پی واپس چلے گئے۔ ان کے عہد میں ٹونک کے پٹھانوں کے ایک بڑے بہادر خوددار اور قانون شکن خانصاحب احمد سعید خاں نے رئیس ریاست کے حکم عدولی کی۔ تب ان کی گرفتاری کے لئے بڑے بہادر اور تنومند اور فرض شناس مسٹر ہالینس خود آگے بڑھے۔ اور پولس کے ایک دستہ کو ہمراہ لیکر ان کے مکان کو جس میں وہ ڈٹے ہوئے تھے جا گھیرا۔ شروع میں مسٹر ہالینس نے نیم کے ایک پیڑ کی آڑ لیکر انہیں دربار کی اطاعت کی تلقین کی۔ مگر خاں صاحب نہ ماننے۔ تب ان کے اور مسٹر ہالینس کے درمیان بندوق کی گولیاں چلنے لگیں۔ گولی چلانے کی ابتدا خانصاحب ہی نے کی تھی۔ نصیبہ وری اور اقبال سے مسٹر ہالینس نے نیم کے تنے کی آڑ لے لی اور بچ گئے۔ مگر اس کے جواب میں مسٹر ہالینس کی گولی نے ان کے ایک ساتھی کا کام تمام کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ پولس نے ان کو گرفتار کرنے سے پہلے ان کے میگزین میں ان کے کسی معتمد دوست کے ذریعہ بوسیدہ کارتوس پہلے سے رکھوائے تھے۔ چنانچہ خاں صاحب کے فیر جب بے اثر ہونے لگے۔ تب انہوں نے سمجھ لیا کہ قسمت نے ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ اپنی بندوق ہالینس صاحب کے سامنے صحن مکان میں پھینک کر خود کی گرفتاری پیش کر دی۔

چنانچہ ہالینس صاحب نے ان کی بہادری اور قومی شجاعت کا لحاظ کر کے بنا ہتکڑی ڈالے گھر سے باہر لے آئے۔ اور حوالات میں بند کر دیا۔ تب ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ جس کے فیصلہ میں انہیں بیس سال کی قید بامشقت کا حکم سنایا جا کر انہیں سینٹرل جیل اجمیر بھیجدیا گیا۔ جہاں انہوں نے بڑی نیک چلنی سے اپنا وقت گزارا اور مقررہ میعاد سے کچھ قبل ہی انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہا ہو جانے پر وہ ٹونک ہی میں

آگر پرسکون زندگی گذارنے لگے۔ مگر اس واقعہ سے ہائینس صاحب کی فراست، شجاعت اور شرافت کی دھاگ ٹونک میں بیٹھ گئی۔ اور رہا ہو جانے کے بعد خاں صاحب کی معافی نواب کی طرف سے ہو جانے پر نواب نے انکی تنخواہ گذر اوقات کے لائق کر دی۔

اس دور میں مسٹر ایشور تھ یو۔پی کے مشہور سیشن جج کو ریاست میں جوڈیشل ممبری کے لیے بلایا گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد ان کے واپس چلے جانے پر پھر مسٹر ایس۔ٹی۔ ہائینس کو جوڈیشل ممبری کے عہدہ پر بلایا گیا۔ اور ان کی خدمات پھر گورنمنٹ یو۔پی سے مستعار لی گئیں۔ چنانچہ نومبر ۱۹۰۳ء سے اخیر مارچ ۱۹۲۵ء تک جوڈیشل ممبری کے عہدہ پر فائز رہ کر انہوں نے ایک جوڈیشل مینول تیار کیا۔

اسی ہی سال رعایائے ٹونک نے پہلی بار گرانی غلہ کی آواز حکومت وقت اور حاکم وقت رائے بہادر موتی لال جی پنجابی کے انتظام کے خلاف بلند کی۔ مگر ہوشمند اور مستقل مزاج رئیس کے اقبال مندانہ اقدام سے وہ مادھو وائی کے میدان کی بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ اگرچہ بالآخر موتی لال جی کو ریٹائرڈ کیا گیا۔ اور باغیوں کے لیڈروں کا بھی شہر سے اخراج تجویز کیا گیا۔ تب صیغہ مال کے لیئے کپتان ڈبلوایٹ صاحب کی خدمات ریونیو ممبری کے لیئے حاصل کی گئیں۔

ریڈ کراس کا قیام، شکارگاہ کا قانون، اجارہ جات دیہات، اور خاندان امیریہ کی اصلاح اور ان کے دیوانی معاملات کے تصفیہ کے لئے پنچایت کا قیام اسی دور کی یادگار ہیں۔ ڈاک بنگلے کی عمارت، وائس پریسیڈنٹ کی پہاڑی کوٹھی، اور پہاڑیہ پر کونسل ہال اور دفتر سیکریٹری کونسل اسی دور کی یادگار ہیں۔ اسی زمانہ میں جوڈیشل افسران، پٹواریان، گرداوران، تحصیلداران اور وکلاء کے امتحان کا سلسلہ بھی اسی دور میں قائم ہوا۔ اور ویب صاحب انگریز کے پہلے دور کے بعد گولڈ اسمتھ صاحب ممبر مال بنائے گئے۔ اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد پھر مسٹر ویب ممبر مال

اور وائس پریسیڈینٹ کے عہدہ پر بلائے گئے۔ صیغہ پولس میں ہالینس صاحب کے جوڈیشل ممبر ہو جانے کے بعد فرگیوسن صاحب۔ انگریز انسپکٹر جنرل پولس مقرر ہوئے اور ہالینس صاحب کے یو۔ پی گورنمنٹ میں واپس ہو جانے پر پہلے کیپٹن این ڈی اونول صاحب اور پھر فرگیوسن صاحب جوڈیشل ممبر بنائے گئے۔ اور انسپکٹر جنرل پولس کے عہدہ پر پلٹرک صاحب انگریز کا تقرر کیا گیا۔ اور صیغۂ مال میں ویب صاحب کی خدمات ختم ہو جانے پر سر سیسل کے صاحب انگریز ممبر مال اور وائس پریسیڈینٹ مقرر کئے گئے۔

امین الدولہ کے بارہ فرزندان مختلف بیگمات سے تھے۔ ان میں سے صاحبزادہ عبدالحفیظ خاں صاحب سب سے بڑے (اور پاٹ بیگم) لاڈلی بیگم صاحبہ سے ہونے کی وجہ سے ولیعہد ریاست سمجھے جانے لگے۔

ان کے تعلیمی دور کا کچھ حصہ علیگڈھ کے محمڈن کالج میں گذرا تھا۔ اسی لئے انگریزی داں تھے۔ اور کرکٹ کھیل کے بڑے شوقین انہیں کی صحبت میں ان کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ حافظ مولوی سعادت علی خاں صاحب کو کرکٹ کھیلنے کا شوق ہو گیا تھا۔ ولیعہد صاحب نے بمرض ہیضہ رمضان شریف میں تقریباً پچپن برس کی عمر میں اپنے والد نواب صاحب کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ان کی کچی قبر بھی موتی باغ کے قبرستان میں ہے۔

ترسیٹھ سال کی طویل حکومت مثل بادشاہت کے عہد کے ختم کر کے، جون ۱۹۳۰ء میں نواب سر امین الدولہ بہادر فرمانروائے ریاست ٹونک نے کچھ عرصہ علیل رہ کر بعمر بیاسی سال اس سرائے فانی سے رحلت کی۔

ممدوح کا تمام دور ایسے زمانہ میں جبکہ سلطنت برطانیہ کے اقبال کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ریاست کی اس دور میں عنان حکومت

عرصہ تک انگریز ہی سنبھالتے رہے۔

مگر دربار ٹونک کے بزرگ اور باا ثر شخصیت اور وسیع اختیارات کی وجہ سے انگریزی تمدن کو اس ریاست میں فروغ نہ ہو سکا۔ جس کا بڑا اثر یہ ہوا کہ عوام انگریزی تعلیم کی اعلیٰ اسناد مثلاً وکالت، ڈاکٹری و انجینیری سے محروم رہ گئے۔ خاص ٹونک میں صرف ایک ہائی اسکول عرصۂ دراز تک چلتا رہا۔ اور اس میں بھی صرف آرٹس کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ اور ہر سال میٹرک پاس کرنے والے طلبار کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہ ہی اور اس کمی پر کسی نے بھی کوئی توجہ دورِ خلیل تک نہیں دی یہی نہیں بلکہ ٹونک خاص کو اور سرونج کو ریل سے کوسوں بیس میل پرے پڑے رہنے دیا گیا۔ اور نئے دور کی روشنی کے آثار نمایاں نہ ہونے پائے۔ ٹیلیفون سرکاری حکام کی کوٹھیوں پر ضرور تھا۔ مگر پبلک کی دکانوں اور گھروں پر نہ تھا۔ نل کا پانی اور بجلی کی روشنی اور پنکھے بھی نہ تھے۔ موٹر کی سواری صرف رئیس یا اکابرین صاحبزادگان تک محدود تھی۔ البتہ سائکلوں کا رواج عام ہو گیا تھا۔ بیل گاڑیاں جنہیں ٹونک کی اصطلاح میں تانجے کہا جاتا تھا شہر کے امرار کی خاص سواری تھی۔ پردہ نشین مستورات کے لئے بھی تانگہ گاڑیاں بھی پردہ پڑی ہوئی کرایہ پر ملتی تھیں۔

اسلامی دینی تعلیم عربی، فارسی، حفظ قرآن و قرأت اس دور میں کمال پر تھے۔ جس کی وجہ سے ٹونک کے علمار حفاظ سارے ہندوستان کے شہروں پر چھا گئے تھے۔

نواب امین الدولہ بہادر بارہ ربیع الاول کو بڑی عقیدت، دھوم دھام کے ساتھ میلاد یا مولود شریف منعقد کرتے تھے۔ جس کے مصارف کا سالانہ بجٹ تقریباً تین لاکھ روپیہ تھا۔ پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری شب کو ایک سو ایک توپیں داغی جاتی تھیں۔ اور محفل میلاد عام تھی۔ جو شب کو نذر باغ

کی کوٹھی میں منائی جاتی تھی۔ اور میلاد خلیل نام کی کتاب پڑھی جاتی تھی۔ اور دیدہ زیب چراغاں سے نذر باغ بقعۂ نور بن جاتا تھا۔ اور ہر روز بعد محفل میلاد پاؤ بھر لڈو فی کس تقسیم کیئے جاتے تھے۔ جس میں رنگ نسل اور قوم کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تھا۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس محفل کے دیدار اور شیرنی سے مستفیض ہوتی تھیں۔ اور مہمان خانہ ہندوستانی، افغانی مہمانوں سے پر ہوتے تھے مکی ومدنی وبغدادی عربوں کو آمد ورفت کے علاوہ معقول نقد نذرانہ بھی پیش کیئے جاتے تھے۔

نوٹ :۔ (غرض کہ جملہ نوابان ٹونک نے دینی خدمت تو بھرپور کی مگر فریضۂ حج بیت اللہ کسی ایک نے بھی ادا نہیں کیا۔ ویسے دیگر حضرات کو اپنے مصارف سے حج کراتے رہے۔)

ٹونک کو بناس ندی پر بسے ہونے کے سبب زرخیز زمین کے تمام مفاد حاصل رہے۔ گیہوں جوار بکثرت پیدا ہونے کے سبب ہر چیز کی ارزانی رہی جسکی بدولت باشندگان ٹونک کی غربت بیٹھ گئی۔

خربوزہ کی کاشت یہاں کی سب پیداواروں میں مشہور رہے۔ کیوں کہ کابلی کے بیج کو یہاں بڑی توجہ سے بناس ندی میں اگایا جاتا ہے۔ اس لئے خربوزہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اور ٹونک سے باہر، جے پور، اجمیر، دہلی میں خوب فروخت ہوتے ہیں۔ کیوں کہ شیریں ہونے کے ساتھ ساتھ دبیر یا اور بڑے بھی ہوتے ہیں۔

اس طویل عہد میں بکثرت صاحب کمال اصحاب نے کل ہند شہرت حاصل کی علم طب منطق اور فلسفہ میں علامہ حکیم برکات احمد صاحبؒ کا نام چوٹی پہ تھا۔ علم حدیث میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب مشہور تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ تک

ندوۃ العلمار لکھنؤ کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ اسی طرح مولوی مفتی عبدالرحیم خاں صاحب بھی مشہور محدث تھے۔ علم الرجال میں مولانا محمود الحسن صاحب کا ہندوستان میں کوئی ثانی نہ تھا۔ حکیم علی حسن صاحب امروہی بھی اپنے وقت کے ایک باکمال طبیب حاذق تھے۔ قانون شریعت اور تعذیرات ہند میں شیخ وزیر صاحب سیکریٹری کونسل عالیہ بھی بڑے دبیر کامل مانے جاتے تھے۔ اور قانون مال اور فنانشل کے معاملات میں منشی فیض احمد صاحب بھی اپنے وقت کے استاد اور اہلکار تھے۔ استاد سید اصغر علی صاحب آبرو ایک کامل خوشنویس اور خطاطی کے استاد تھے۔ حکیم سید سعید احمد صاحب ایک عالم طبیب ہونے کے علاوہ فارسی کے بڑے فاضل تھے۔ اور فارسی واردو میں اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ آپ نے فارسی کے امیر نامہ کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ میرے چچا منشی نیاز علی خاں صاحب اسی عہد کے قدیم انگریزی دانوں میں مانے جاتے تھے۔ اور استاد شعرا میں تھے۔ پہلے اسعد تخلص کرتے تھے۔ اور بعد میں مومن بدل لیا تھا۔ خاں صاحب محمد یوسف خاں صاحب ایک ہفت زبان عالم اور فارسی کے ٹونک میں بے مثل ادیب تھے۔ منشی مصطفیٰ صاحب ایک جید مہندس تھے۔ سعد اللہ خاں اور کیکر سنگھ نامی پہلوان تھے۔ اور مولوی حوائی بخش صاحب ٹونکی ایم۔ اے آکسن تھے۔ جو ایک عرصہ تک ریاست حیدر آباد دکن کے اعلیٰ افسر جنگلات بھی رہ چکے تھے۔ اور فارلیسٹ آفیسری سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ٹونک میں نواب سعادت علی خاں کے دور میں ممبر ترقیات بھی بنا دئے گئے تھے۔ شمس العلمار حافظ مولوی عبداللہ صاحب ٹونک کی مومن برادری کے ایک نامی فرد اس لئے تھے کہ آپ پنجاب یونیورسٹی کی اورینٹل مینگو یجز کے چیرمین اور عربی فارسی کے شعبہ کے صدر ہو گئے تھے۔ اور وہیں

مسٹر محمود شیرانیؒ جو اختر شیرانی صاحب شاعرؒ کے والد تھے اردو کے پروفیسر تھے اور پروفیسر عمر خاں صاحب فارسی کے وہیں پروفیسر تھے۔ اور حفاظ کی ٹونک میں اتنی کثرت تھی کہ ہر مسجد کی صفِ نماز میں کئی حفاظ مقتدی ملتے تھے۔

غرض دینی علم کا جو پودا نواب وزیر الدولہ نے لگایا تھا وہ نواب ابراہیم علی خاں کے دور میں پھول پھل رہا تھا۔ اسی دور کے شعراء میں کیفؔ صاحبؒ کا مقام خصوصاً نعتیہ اشعار میں بہت بلند ہے۔

شجرہ اولاد نرینہ

حافظ نواب محمد ابراہیم علیخانصاحب خلیلؔ

(ٹونکی بیگم امۃ اللہ بیگم سے)

۱۔ صاحبزادہ عبدالحفیظ خاں صاحب ولیعہد
۲۔ صاحبزادہ حافظ سعادت علی خانصاحب عرف منجھلے میاں
۳۔ صاحبزادہ عبدالرشید خاں صاحب عرف کھورا میاں

(رامپوری بیگم ہاجرہ بیگم سے)

۴۔ صاحبزادہ فاروق علی خانصاحب
۵۔ صاحبزادہ عثمان علی خاں صاحب

(دوسری بیگمات سے)

۶۔ صاحبزادہ عبدالواحد خاں
۷۔ صاحبزادہ مسعود علی خاں
۸۔ صاحبزادہ افتخار علی خاں
۹۔ صاحبزادہ عبداللہ خاں
۱۰۔ صاحبزادہ اسمٰعیل علی خاں
۱۱۔ صاحبزادہ معصوم علی خاں
۱۲۔ صاحبزادہ یعقوب علی خاں

نواب امین الدولہ بہادر کے دور کے دیگر مشاہیر

نواب امین الدولہ حافظ محمد ابراہیم علی خاں صاحب کا دور ٹونک کی تاریخ میں دور شاہجہانی کے زرین نقوش کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ نواب ممدوح مذاق اور مزاج کے اعتبار سے بھی شاہجہاں ثانی کہلانے کے مستحق ہیں۔ اسی لئے ان کا دور ریاست ٹونک میں سنہری زمانہ کہلانے کا مستحق ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اواخر عمر میں شاہجہانی اقبال اپنے ہونہار بیٹے اورنگ زیب کے اقبال کے سامنے ماند ہو گیا۔ اور گردش میں آگیا۔ جبکہ نواب ابراہیم علی خاں کے چڑھتے اقبال کے سامنے ان کے والد کا اقبال چکا چوند ہو کر نظر بندی میں گھر گیا۔ اسی دور میں ریاست نے ہر اعتبار سے ترقی کی۔ اور ٹونک ریل سے بیس میل پرے ہونے کے باوجود بھی جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور وہاں کی قدامت پسندی پر نئی روشنی اور مغربی تمدن جھلک نہ ڈال سکا۔

نواب کو شاعری سے کافی لگاؤ تھا۔ اور نعت و منقبت میں اپنا تخلص خلیل رکھ کر اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔ اسی لئے بکثرت شعراء نے نواب کی سرپرستی حاصل کر کے انعامات پائے۔ ان میں استاد ظہیر دہلوی، بسمل خیرآبادی، مضطر خیرآبادی، نواب سلیمان خاں، اسد لکھنوی، فتنہ لکھنوی تھے۔

اور جن جید علماء کا پہلے ذکر آچکا ہے ان کے علاوہ مولانا ارحم، صاحبزادہ احمد علی خاں رونق، ثاقب دہلوی، اور نواب مولوی صدیق حسن خاں بھی تھے

اور نواب کے برادران صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں صاحب، صاحبزادہ عبدالرحیم خانصاحب اور صاحبزادہ عبدالوہاب خاں صاحب بھی عالم تھے۔

مگر صاحبزادہ یا نواب زادہ احمد علی خاں رونق کا پایۂ علم نواب کے رشتہ داروں میں سب سے بلند تھا۔ آپ نواب محمد امیر خاں بانیِ ریاست کے فرزند اور نواب ابراہیم علی خاں کے داماد بھی تھے۔ آپ کے درِ دولت سے ظہیر دہلوی انور دہلوی قیام جے پور کے زمانہ میں منسلک رہے ہے۔ داغ دہلوی کو بھی کچھ عرصہ تک اپنے درِ دولت پر مہمان رکھا۔ تب ہی آپ کے دیوان کے لئے استاد داغ دہلوی نے قطعۂ تاریخ مرتب کیا تھا۔ آپ کا انتقال کبر سنی میں نواب ابراہیم علی خاں کے دور میں ہوا۔

شمس العلماء مولانا عبداللہ صاحب ٹونکی:۔ اپنے وقت کے بے مثال عالم، بڑے فاضل اور زبردست نقاد تھے۔ اور فن مناظرہ میں بھی یکتا تھے۔ مولانا آزاد مرحوم سے بھی آپ کا مناظرہ ہوا تھا جس کا اعتراف مولانا آزاد نے اپنی ایک تصنیف میں کیا ہے۔ سرکار برطانیہ کی طرف سے آپ کو علمی صلاحیتوں اور ادبی خدمات کے پیش نظر شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔ آپ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پہنچ کر پروفیسر عربی و فارسی سے اورینٹل فیکلٹی کے چیرمین بنا دیے گئے اور اسی لئے لاہور میں قیام فرما تھے۔ اور وہیں انتقال بھی ہوا۔

مولوی محمود حسن خاں صاحبؒ:۔ آپ کا شمار علماء محققین اور مصنفین ہندوستان میں ہوتا ہے۔ آپ ٹونک کی مردم خیز زمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اور کبر سنی میں یہیں دفنائے گئے۔ آپ کی قبر موتی باغ کے قبرستان میں ہے۔

آپ نے ٹونک ہی میں تعلیم پائی۔ اور علوم شرقیہ کے ہر فن میں عبور حاصل کیا۔ اور پھر ٹونک سے باہر جا کر ریاست حیدرآباد کے شعبۂ تعلیم،

علوم شرقیہ میں سر درس کرلی۔ پھر وہیں آپ معجم المصنفین کی تدوین میں معروف ہوگئے یہ کتاب اسمار الرجال اسلامیہ کی انسائیکلوپیڈیا ہے جس کی شہرت مقبولیت ساری اسلامی دنیا میں پھیلی۔ یہ بے مثال کتاب آپ کی بے پایاں قابلیت اور لاثانی علمی تحقیقات کا شاہکار ہے۔ اس کی کئی ضخیم جلدیں ہیں۔ اس میں دنیا کی ہر زبان کے مصنف اور اس کی خدمات کو ضبط تحریر لایا گیا ہے۔ اور ناظرین کو اس کے ادبی مقام سے واقف کیا گیا ہے۔ اس کی چند جلدیں سرکار نظام حیدرآباد کی طرف سے طبع کرائی گئی تھیں۔

غرض کہ سمندر کو کوزہ میں بھر کر بقیہ عمر گذار نے اپنے وطن ٹونک ہی میں آگئے تھے۔ جہاں آپ کو ریاست حیدرآباد کی طرف سے پینشن بھی ملتی رہی

آپ کے مزاج میں سادگی اور ظرافت بڑے ہی لطیف انداز کی تھی۔ آپ کا خاندان مولویوں کا خاندان کہلاتا تھا جس کا ہر فرد عالم ہوتا تھا۔ یہانتک کہ مستورات بھی عالم ہوتی تھیں مگر تقسیم ہندوستان کے وقت اس خاندان کے نوجوان طبقہ نے ہجرت اختیار کی اور ضعیف طبقہ کو یہ دن دیکھنے کو ہی نہ ملا اور یکے بعد دیگرے اس خاندان کے سبھی علمار نے انتقال فرمایا۔ آپکی تصنیف شدہ کتابوں میں سے ایک کتاب الصیل عربی میں ہے۔

مولوی حیدر حسن خاں صاحبؒ :۔ آپ مولانا محمود الحسن خانصاحبؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ہندوستان بھر میں علم حدیث و فقہ میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اسی لئے آپ کو ٹونک سے بلا کر ندوۃ العلمار لکھنؤ کا صدر مدرس بنایا گیا۔ وہاں رہ کر آپ نے دس سال تک حدیث شریف پڑھائی اور درجنوں عالم بنائے۔ آپ کے مزاج میں متانت اور پختگی تھی ٹونک میں دارالعلوم مدرسہ فرقانیہ کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی تھی جو اب تک بھی قائم ہے۔

صاحبزادہ مولوی حافظ عبدالوہاب خاں صاحب :- خاندان امیریہ کے بے مثل عالم تھے۔ صوفی منش اور حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود سادگی اور صلہ رحمی کے بادشاہ تھے۔ آپ اگرچہ نواب کے بڑے چہیتے وفادار اور مخلص بھائی تھے آپ اپنی دور ملازمت میں نائب الریاست بھی رہے۔ اور فنانشل ممبر بھی۔ آپکا انتقال نواب کی زندگی ہی میں ہوا۔ اس وقت نواب نے کہا کہ اب میں بھی آتا ہوں تمہارے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہونگا۔ چنانچہ نواب چھ ماہ بعد ہی چل بسے۔

صاحبزادہ موصوف نہ صرف عالم بلکہ روحانی دنیا میں بھی کسی اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ انتہائی سادہ لباس میں رہتے تھے۔ اور محلاتی زندگی کے بجائے ایک سفال پوش بنگلہ میں رہتے تھے۔ خادم ملازم چند در چند ہونے کے باوجود اپنے سب کام خود ہی کرتے تھے۔ اور سخاوت اور علم دوستی میں اپنا جواب سارے خاندان میں نہ رکھتے تھے۔ آپ فاضل مصنف بھی تھے۔ عربی فارسی اردو غرض تینوں زبانوں میں آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ کئی کتابیں بھی ہر ایک زبان میں تصنیف کی ہیں۔ جو ٹونک کی سرکاری لائبریری میں اب بھی موجود ہیں۔ آپ کی حویلی محلہ کالی پلٹن میں تھی۔

صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صاحب مرحوم :- آپ نواب کے بھائیوں میں سب سے زیادہ منتظم اور مالدار تھے۔ آپ ایک عرصہ تک جرنیل فوج بھی رہے۔ مگر آپکو کتب خانہ کے جرنیل ہونے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اسی لئے آپ کو اپنے والد نواب محمد علی خاں کے علم و فن کا جانشین کہنا مناسب ہوگا۔ تن و توش میں بھی آپ اپنے سب بھائیوں سے نمایاں تھے۔ میرے شاعر و انگریزی و فارسی داں چچا منشی نیاز علی خاں صاحب مرحوم آپ ہی کے مصاحب تھے۔ اسی دور میں پیری چارٹ نام کا ایک جرمن نژاد انگریز، ریاست میں پولیٹیکل خدمات پر افسر ہو کر

آگیا تھا۔ اور نواب ابراہیم علی خاں صاحب کے خلاف ہو چلا تھا۔ اور نواب کی معزولی کے درپے تھا۔ یہ دیکھ کر صاحبزادہ عبدالرحیم خاں نے منشی نیاز علی خاں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ اور منشی جی کمال بے جگری اور ہمت و استقلال سے اس کے خلاف مواد جمع کرنا شروع کیا۔ اور وائسرائے ہند اور ملکہ وکٹوریہ شہنشاہ سلطنت برطانیہ سے اسکی شکایت کا سلسلہ چھیڑ دیا۔ جس پر اس سے جوابات لئے جانے لگے۔ اور اس کے وفادار انگریز ہونے پر شبہ کیا جانے لگا۔ غرض وہ نواب کی مخالفت کو بھول کر منشی جی کے حملوں سے بچنے کی فکر کرنے لگا۔ یہاں تک کہ پہلی جنگ عظیم پر اسے جرمنی گر دانا جا کر گرفتار کئے جانے کے لئے اسے دہلی بلایا گیا مگر اپنی یقینی بے عزتی اور تکلیف سے ڈر کر اس نے اسٹیشن سانگانیر کے قریب چلتی ریل سے کود کر خودکشی کر لی۔ قیام ٹونک کے زمانہ میں وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ چھوٹے قد کا منشی بڑا خطرناک ہے۔ اس کے مر جانے کے بعد جب نواب کی مخالفت کا کانٹا نکل گیا، تو صاحبزادہ نے نواب کی ایماء سے منشی جی کو مالا مال کرنا چاہا۔ مگر خوددار اور وفادار منشی صاحب نے اپنے بیھٹونی کا ثبوت دیکر انعام لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس جدوجہد میں پیسہ آپ کا تھا اور قلم میرا۔ جسے میں نے ازراہِ حق نمک ادا کیا۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحبؒ:۔ ویسے تو آپ آبائی حیثیت سے نواب ٹونک کے طبیب خاص تھے۔ مگر اپنے ذاتی ذوق سے درس و تدریس میں مستغرق ایک صوفی منش عالم و مفتی اور فلسفی تھے۔ اور فیضان علم منطق و فلسفہ میں آپ سارے ہندوستان میں فرد واحد تھے۔ آپ کے شاگرد طلباء نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون جات، مثلاً کابل، قندھار، خیوا۔ بخارا، عراق، مصر اور ترکستان میں بھی چمکے۔ علم حدیث اور اسماء الرجال میں مانے ہوئے استاد تھے۔ اسکے علاوہ

تصوف الٰہیات میں بھی آپ کا کوئی مقام تھا۔ خواہ قطب وقت کا ہی سہی۔ مدرسہ خلیلیہ اپنے مربی نواب ابراہیم علی خاں خلیل کی یادگار میں آپ ہی کی قائم کردہ درسگاہ ہے۔ اور حکیم صاحب کی سرائے کے نام سے جو سرائے ٹھو کی مسجد کے شمالی دامن میں واقع ہے آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ آپ کی عربی میں بہت سی کتابیں ہیں۔

ڈاکٹر اقبال نے زمان ومکان کے فلسفہ پر آپ سے مشورہ لیا تھا۔ اور استفادہ کیا تھا۔ آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ غرض اپنی زندگی کی شمع سے اپنے وطن ٹونک کا نام روشن کر گئے۔ اور اسی کی خاک میں روپوش ہو کر اعلیٰ علییّن کو پہنچ گئے۔

پروفیسر محمود شیرانی۔ ہندوستانی شہرت کے مصنف، اردو زبان کے لاثانی محقق، ماہر فن خطاطی تھے۔ اور لسانیات میں متبحر عالم ہونے کی وجہ سے آپ کی تنقیدات فردوسی کی شعر العجم پر مصنف شبلی نعمانی مشہور ہیں۔ اردو زبان کی پیدائش کو پنجاب سے ہونا ثابت کیا ہے۔ اور قرآن پاک کی اردو تفسیرات پر "مقالات شیرانی" آپ کے لازوال اور یکتائے روزگار ادبی شاہکار ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی پر ایسی فاضلانہ تنقید کی ہے کہ آج تک کسی کو اس کا جواب دینا نہ بن پڑا۔ اس سلسلہ میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کئی تمغہ اور انعام و اکرام ملتے رہے۔ آپ نہ صرف علوم شرقیہ کے فاضل تھے۔ بلکہ انگریزی بھی آپ بخوبی بول اور لکھ سکتے تھے۔ اسی لئے انگلستان جا کر وہاں کی علمی درسگاہوں کا معائنہ بھی کر چکے تھے۔ اور لندن میں کافی دن ٹھیر کر انگریزی علم کا گہرا معائنہ بھی کیا تھا۔ واپسی پر بلاد شرقیہ کی سیر کرتے ہوئے لاہور اپنے علمی مرکز پر آپہنچے۔ اور رٹائرمینٹ کی عمر تک لاہور ہی میں رہے۔ مگر ریٹائرڈ ہو جانے کے بعد اپنے وطن ٹونک آگئے تھے۔ اور یہیں انتقال کیا۔ ان کا مکان محلہ مہندی باغ میں تیلیا نلے

درمیان تھا۔ ان کا خاندان کبھی مارواڑ کے گاؤں چھوٹی بڑی کھاٹو سے آیا تھا۔ اوران کے والد نواب کی ایک بیگم کے کامدار تھے۔ اسی حویلی میں اب نظام بیڑی فیکٹری ہے۔ یہ ان کے خاندان کو شیرانی پٹھان خاندان بتاتے تھے۔ ان کو نادر کتب اور مختلف حکومتوں کے قدیم سکے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ مگر ان کے فوراً ہی بعد ان کے نامی فرزند شاعر اختر شیرانی ٹونکی نے ان کی اس سب دولت پر پانی پھیر دیا یا یوں کہیئے کہ اسے پی پی کر ختم کیا۔ اور خوب ہی سرور کیا۔ پروفیسر صاحب کا انتقال سنہ ۱۹۲۹ء میں ہوا۔ بقول غالب اختر صاحب ہمارے فٹ بال کھیل کے ساتھی دوست کا یہ مقولہ تھا۔

غرض پیتے تھے اور کہتے تھے کہ "ہاں رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن" اور اکثر یہ شعر بھی ان کی زبان زد رہتا تھا ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

اور کبھی فخریہ طور پر یہ شعر پڑھنے لگتے۔

صبح کو خوب ہی پی شام کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

نواب ابراہیم علی خاں کے نہایت طویل دور میں انکے خدام چوبداران نے جو زیادہ تر محلہ شاگرد پیشہ میں اب بھی آباد ہیں نواب کا بڑا اعتماد حاصل کیا تھا۔ اور اس کی بدولت بڑی ثروت کمائی تھی۔ مگر بیشتر افراد علم کی دولت سے محروم رہے۔

ماسٹر عبدالسلام صاحب ایم۔ اے۔ آپ حکیم سید سرور شاہ ولایتی دیوان ریاست (بہ دور نواب محمد علی خاں صاحب) کے فرزند تھے۔ نہایت

حسین وذکی، ذہین، ظریف۔ مگر طبیعت غصّہ ور تھی۔ اینگلو محمڈن کالج علیگڈھ
سے فرسٹ ڈیویژن میں ایم۔ اے پاس ہونے پر ٹونک کے ہائی اسکول میں
ماسٹر سے ہیڈ ماسٹر بنا دیے گئے۔ مگر کسی نافرمانی کی بنا پر نواب کی ناراضگی
ہو جانے سے ٹونک سے اخراج ہو گیا۔ تب جے پور آ کر وکالت کی اور زور کی،
کی، کہ ججی کے عہدہ پر فائز کر دیے گئے۔ اور پھر اس سے ریٹائرڈ ہونے
پر جے پور ہی میں انتقال کیا۔

سعید الدولہ وزیر الملک

نواب حافظ مولوی سر سعادت علی خاں صاحب بہادر جی۔سی۔آئی۔ای

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک

صاحبزادہ عبد الحفیظ خاں ولیعہد ریاست نے کیوں کہ اپنے والد نواب ابراہیم علی خاں صاحب کی حیات میں انتقال کیا تھا۔ اس لئے نواب امین الدولہ کے انتقال کے بعد صاحبزادہ سعادت علی خاں جنہیں منجھلے میاں بھی کہا جاتا تھا گدی نشین کئے گئے۔

سر سیسل کے اس وقت والٹس پریسیڈینٹ تھے۔ اور صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں صاحب یعنی سر سعادت علی خاں کے چچا اور سمبر ہوم ممبر تھے سر سیسل کے کے جلد ہی چلے جانے پر میجر فریزر صاحب ایڈوائزری اختیارات کے ساتھ ٹونک میں آئے۔ اور ٹونک کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے موصوف نے اپنے وسیع اختیارات کو بڑی توجہ سے کام میں لیا۔ چنانچہ دریائے بناس پر فریزر برج کی تعمیر ان کی بڑی یادگار ہے۔ اس سے موسم باراں میں سفر کرنے یا مال لانے لیجانے کی جو پریشانی تھی اور سخت تکلیف اور دشواری تھی وہ رفع ہو گئی۔ اور تجارت میں سہولت بڑھ جانے پر فروغ ہوا۔ سعادت ہسپتال کی شاندار عمارت بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ جو میجر فریزر کی اولوالعزمی اور نواب کی فراخدلی اور رعیت پروری کی

ایک نمایاں یادگار ہے۔ انگریزی تعلیم کی طرف بھی میجر فریزر نے کچھ توجہ کی۔ اور ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹری کے عہدہ کے لئے ایک بڑے ڈسپلینیر اور لائق اینگلو انڈین مسٹر دی۔ دی فلپس کا تقرر فرمایا۔ ان سے پہلے کے ہیڈ ماسٹر صاحب نور الحسن برلاس دہلوی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی عرصہ سے ہیڈ ماسٹر چلے آتے تھے۔ مسٹر فلپس کی دورِ ہیڈ ماسٹری میں اوپر کی کلاسوں میں طلبار کی تعداد اور حسن نتائج میں نمایاں ترقی ہونے لگی۔ اور لفظ ڈسپلن کی شان اسکول میں پہلی مرتبہ نظر آنے لگی۔

مصنف ہٰذا کا تقرر بحیثیت اسسٹینٹ ماسٹر بھی اسی دور میں جولائی ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ اور اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ہیڈ ماسٹری کا چارج میں نے موصوف کے ریٹائیرڈ ہو جانے پر لیا۔

صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں صاحب ہوم ممبر کے ریٹائرڈ ہو جانے پر ان کے بھتیجے صاحبزادہ خان بہادر عبد التواب خاں صاحب فرزند صاحبزادہ عبد الوہاب خاں صاحب مرحوم نے لیا۔ آپ ہوم ممبر ہونے سے پہلے جرنیل فوج کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس عہد میں خان بہادر محمد شفیع خاں ریٹائیرڈ ڈپٹی کلکٹر۔ یو۔ پی۔ ممبر مال تھے۔ اور خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب پنجابی ممبر جوڈیشل تھے۔

نواب سر سعادت علی خاں صاحب ذہن و ذکاوت میں بے مثل تھے ممدوح کا ابتدائی زمانہ اپنے دادا نواب محمد علی خانصاحب کے پاس بنارس میں گذرا تھا۔ اور وہیں کے دینی مدرسہ میں پڑھ کر حفظ قرآنِ پاک اور علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی۔ پھر دادا صاحب کے انتقال کے بعد ٹونک آگئے تھے۔ اور اپنے بڑے بھائی صاحبزادہ عبد الحفیظ خاں کی صحبت میں رہکر شکار کھیلنے اور کرکٹ کھیلنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اور بائیں ہاتھ سے باؤلنگ کر کے اسپننگ کمال کی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ٹونک کے احباب کی صحبت کے اثرات سے اصیل مرغ بازی

بٹیر بازی، شطرنج، مچھلی کے شکار اور شیر کے شکار کے شوق بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ تیراکی میں ممدوح کو اس قدر مہارت تھی کہ بناس ندی کو طغیانی کی حالت میں اس کے نہایت کشادہ پاٹ پر بھی تیر کر پار کر لیتے تھے۔ آپ کے آخری دور میں شعر و شاعری اور ڈراما و سینما دیکھنے کا شوق بھی ہو گیا تھا۔ جمعہ کے دن جبکہ سارے حکامِ ریاست سلام کے لئے صبح کوٹھی گلزار باغ میں اکٹھے ہوتے تھے تو اصیل مرغوں اور بٹیروں کی جانی سے نواب محظوظ ہوتے تھے۔

میجر فریزر ایڈوائزر کے چلے جانے کے بعد میجر بارنیٹ ایڈوائزر ہو کر آئے ان کے زمانہ میں نواب نے اپنی پالیسی انگریز افسروں کو خوش رکھنے کی رکھی۔ اور امورِ ریاست میں کبھی بے جا دخل نہیں دیا۔ چنانچہ نواب کی اس دانائی کی بدولت انگریز حکام دیسی حکام اور پردیسی حکام کو اپنے متعلقہ صیغہ جات کو سنبھالنے اور ان کو ترقی دینے کا خوب موقع ملا۔ اس سے پہلے کے دوروں میں یہ بات نہ تھی۔ اور اسی لئے ریاست اور رعیت پست ماندگی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ اور نئی روشنی کے کاموں کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

اس دور کے جوڈیشل ممبر خان بہادر رحیم بخش صاحب بدستور ممبر کونسل تھے۔ اور تعلیمات کے منسٹر بھی تھے۔ خان بہادر اسد اللہ خاں صاحب بدایونی ممبر مال تھے اور آئی۔ جی پولس۔ مسٹر فاکس تھے۔

نواب پرگنہ سرونج کا دورہ ہر سال بڑے شوق سے کرتے تھے۔ اور مالوہ کے مردم آزاد شیروں کا قلع قمع کر کے جنگل کو بے خطر بنا آتے تھے۔ تا کہ پھر نواب کی رعیت کے لوگ اپنے پیشوں کو مامون اور محفوظ ہو کر انجام دے سکیں۔

غرض فرائضِ حکومت اعلیٰ طور پر انجام دینے اور اپنی رعایا کی ہر طرح نگہداشت کرنے اور ان کی فلاح و بہبود چاہنے کی شہرت سے نواب کا مقام انگریز حکام

اور گورنمنٹ برطانیہ کی نظر میں بہت اونچا ہو چلا تھا۔

چنانچہ سرکار برطانیہ کی طرف سے نواب کو نافٹ ہڈ یعنی جی۔سی آئی۔ای کا خطاب عطا کیا گیا۔ اس پر رعایا اور رئیس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ خاندان امیریہ میں نواب سر سعادت علی خاں بڑے مدبر مصلحت بیں، معقول ذہین، سادہ مزاج، رحمدل انصاف پسند، دلیر اور نہایت کامیاب رئیس ہوئے ہیں۔ اسی لئے آج تک بھی ٹونک کی رعایا انہیں عزت و قدر کے ساتھ یاد کرتی ہے۔ اور یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ خدمت خلق سے انسان خدا کا پیارا، اور اس کے بندوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ میجر بارنیٹ صاحب ایڈوائزر کے چلے جانے کے بعد ایڈوائزری ختم کر دی گئی۔ اور لیفٹیننٹ کرنیل اینڈرسن صاحب کونسل عالیہ کے وائس پریسیڈنٹ بن کر آئے۔ کیوں کہ رئیس وقت کو اب با اختیار بنا دیا گیا یہ وہ زمانہ تھا جب پبلک کی آواز حکومت میں اثر کرنے لگی تھی۔

چنانچہ حکومت ہند کی پالیسی کے مطابق بیدار مغز اور زمانہ شناس رئیس نے ٹونک میں محکمہ ترقیات عامہ کھولدیا۔ جس کے منسٹر خان بہادر مولوی مولا بخش صاحب ٹونکی ایم۔ اے۔ آکسن (ریٹائرڈ فارسیٹ آفیسر ریاست حیدرآباد دکھن) مقرر کئے گئے۔ اس وقت کے ریونیو ممبر خان صاحب مولوی بہاء الدین صاحب اجمیر میں تھے۔ ان کی خدمات اجمیر گورنمنٹ سے مستعار لی گئیں تھیں۔ جوڈیشل ممبر۔ خان بہادر حافظ مولوی شمس الحسن صاحب تھے۔ آپ ریٹائرڈ سیشن جج تھے۔ اور گورنمنٹ یو پی میں بڑے بے مثل اور ممتاز جج مانے جاتے تھے۔ اور مسٹر فرگیوسن کے بعد انسپکٹر جنرل پولس کے عہدہ پر مسٹر جے لنڈن بوم لائے گئے تھے۔ یہ بھی گورنمنٹ یو۔ پی کے ایک ریٹائرڈ ایس۔ پی تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد اسی دور میں ممبری مال کے عہدہ پر ایک فرشتہ صفت انسان

خان بہادر سید نصیر الدین حیدر صاحب علیگ ہڑھی تھے یہ بھی یو۔ پی۔ گورنمنٹ کے ریٹایرڈ ڈپٹی کلکٹر تھے۔ (آپ کے والد بھی ٹونک میں سپرنٹینڈنٹ پولس کے اعلےٰ عہدہ پر فائز تھے۔ اور ان کا وصال ٹونک ہی میں ہوا۔ اور مالپورہ دروازہ باہر کے قبرستان میں ایک پختہ چھتری دار قبر میں دفن کئے گئے۔) چنانچہ اسی ہی جذبہ سے باشندگان ٹونک کی خدمت کے لئے ٹونک آئے تھے۔ موصوف نے اپنی راست بازی، صلہ رحمی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے راعی اور رعایا کی نظر میں مقبول ترین منسٹر مانے ہوئے تھے۔ راقم الحروف (مصنف ہذا) پر ممدوح کی شفقت تھی۔ اور میں بھی انہیں اپنا محسن گردانتا تھا۔ موصوف سے میرا واسطہ اس وقت پڑا تھا۔ جبکہ موصوف منسٹر انچارج میونسپلٹی ٹونک تھے۔ اور میں ان کے انڈر میں بحیثیت ایگزیکیٹو آفیسر ٹونک میونسپلٹی۔ کام کر رہا تھا۔ ممدوح کے اخلاق میں کچھ ایسی جاذبیت تھی اور اطوار و گفتار میں ایسی لطافت تھی کہ ہر شخص ان سے مل کر خوش ہو جاتا تھا۔ اور وہ ہی واحد پردیسی منسٹر ایسے تھے۔ کہ عوام کا دل ان سے صاف تھا۔ بلکہ ان کی مدح سرائی زبان زدِ عوام تھی۔ اور آپ بھی عوام کی خیر اندیشی، ہمدردی، تواضع اور مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ اور معززین شہر کے ساتھ مساویانہ ملاقاتیں کرتے تھے۔ غرض کہ پردیسی جملہ ممبران کونسل میں صرف آپ کو ٹونک والوں کی غربت اور پسماندگی کا پورا احساس تھا۔ اس لئے آپ ہر دم ان کا دل ہاتھوں پر لئے چلتے تھے۔ ان کی شادی و غمی کی رسومات میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنی ایک لڑکی کی شادی سرزمین ٹونک پر ہی رچائی تھی۔ اگرچہ دولہا کی بارات علیگڈھ یو۔ پی سے ٹونک آئی تھی۔ ایسی ملنساری کا ثبوت آپ سے پہلے کسی بھی پردیسی ممبر کونسل نے نہیں دیا تھا۔

غرض کہ سید صاحب میں ساداتی صفات نمایاں تھیں۔ چنانچہ تقریباً

دس برس تک ریاست ٹونک کی اعلیٰ خدمات انجام دیکر بوجہ ناسازیِ طبع یعنی بلڈ پریشر واختلاج قلب، ریٹائیرڈ ہو کر اپنے بھائی ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب کے پاس بغرض معالجہ بلند شہر چلے گئے۔ اور پھر وہیں انتقال فرمایا۔

آپ کی قبر وہاں کلکٹری عمارت کے سامنے ایک نمایاں جگہ پر ہے۔ اور آپ کی بغل میں آپ کے بھائی ڈاکٹر صاحب کی بھی ہے۔ خدا مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ اور اس جہان کی ابدی زندگی میں بھی اس سرائے فانی جیسی عزت اور راحت بخشے۔

آپ اس بنگلہ میں رہتے تھے جہاں اب آفیسرس ٹریننگ اسکول ہے۔ ہر جمعرات اور اسلامی تہوار پر آپ کی کوٹھی سے لنگر جاری ہوتا تھا جس سے عام غربار ومساکین سیر ہوتے تھے۔ اور ویسے بھی آپ اپنے قریب کے غربار محلہ مہندی باغ کی کفالت کرتے تھے۔ نماز پنجوقتہ اور روزے کے بڑے پابند تھے۔ حقہ یا سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ مگر پان بڑی نفاست سے کھاتے تھے۔ داڑھی مونڈتے تھے۔ اور کبھی بھی کوٹ پتلون نہ پہنتے تھے۔ بلکہ ہر پوزیشن میں ترکی ٹوپی شیروانی اور علیگڈھ پائجامہ کو زیب تن رکھتے تھے۔ گویا کہ اولڈ بائیز علیگڈھ کے ایک صحیح نمونہ تھے۔ اور ٹونک کے ان طلبار سے جو وظیفہ لیکر بغرض تعلیم علیگڈھ جاتے تھے۔ ان سے بڑی ہمدردی فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب خود اپنی کوٹھی پر علیگڈھ تشریف لے جاتے تو ٹونکی طلباء کی دعوت کرتے تھے۔ اور اپنے اثرات سے وہاں پر ان کی مشکلات کو حل کرتے تھے۔

یلدرم آپکے بڑے بھائی خان بہادر سید سجاد حیدر صاحب یلدرم تھے۔ جو کبھی ڈپٹی کلکٹری کے بعد مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار بھی رہ چکے تھے۔

اس وقت کے جوڈیشل ممبر خان بہادر مولوی شمس الحسن صاحب

ریٹائرڈ سیشن جج علیگڈھ (یو-پی) بھی قابل تذکرہ ہیں شرعی صورت کے نہایت پابند شرع، نماز باجماعت پڑھنے والے، شب گذار اور کثیر الصوم اور بڑے نڈر، بے لاگ، متقی و منصف تھے۔

ہوم ممبری پر صاحبزادہ خان بہادر عبد التواب خاں صاحب بدستور فائز تھے۔ یہ نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش، متبحر سردار تھے۔ مگر اصوفی زندگی کے بڑے دلدادہ تھے۔ داڑھی تو نہ رکھتے تھے مگر صوم و صلوۃ کے بڑے پابند تھے آپ صاحب تصنیف بھی ہیں۔ ٹونک کی تاریخ و تمدن پر آپ نے بھی ایک کتاب تذکرۂ ٹونک لکھی جس کی زبان مخصوص ان ہی کی ہے۔

اور جرنیل انسپکٹر پولس پر مسٹر جے لنڈن بوم بدستور فائز رہے تھے۔ اور وائس پریسیڈینٹ و فنانشل ممبر مسٹر ڈی۔ ای۔ او۔ جیمر صاحب سوئڈن نژاد انگریز تھے۔ یہ بڑے ہی محنتی منتظم اور کچھ ہندوستانی خصائل کے ایسے تھے کہ عرصۂ دراز سے افواج محکمہ تپک کے آفیسر رہ چکے تھے۔ اور وہاں سے ریٹائرڈ ہونے پر ریاست نے آپ کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ شہر ٹونک کی میونسپلٹی کی ایگزیکیوٹو آفیسری سے سعادت ہائی اسکول سر دیج ہیڈ ماسٹری پر میرا تبادلہ آپ ہی کے دور میں سنہ ۱۹۴۲ء میں ہوا تھا۔

اس دور کی یادگاریں گھنٹہ گھر، میونسپل ٹاؤن ہال، سول لائن۔ جس میں ایک پرائمری سرکاری اسکول ہے اور گلزار باغ کی کوٹھی جس میں اب گرلز ہائر سیکنڈری اسکول ہے۔ ناٹک گھر جو بعد میں راج ٹاکیز سینما میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس دور کی یادگاریں ہیں۔ اس دور کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ پہلی مرتبہ ٹونک میونسپلٹی کو ایلیکٹیڈ بورڈ بنایا گیا اور اس کا ہیڈ ٹرینڈ ایگزیکیوٹو آفیسر راقم الحروف یعنی مصنف ہذا کو ٹریننگ اجمیر میں دلا کر بنایا گیا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کونسل عالیہ سے قانون ملکی حقوق نافذ کیا گیا۔ جس سے باشندگان ٹونک و پرگنات کے حقوق ملازمت محفوظ کر دیے گئے۔ اور دیسی نوجوانوں کو اہل بنانے کے لئے ان کے نمائندہ ممبر خان بہادر مولا بخش صاحب ٹونکی ایم۔اے کو ممبر ترقیات و منسٹر تعلیمات بنایا گیا۔

موصوف نے غریب ہونہار طلباء کو ریاست سے وظیفہ دلا کر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں بغرض تعلیم بھیجا۔ جہاں سے وہ وکیل بن کر ایک نئے روشن دور کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے اہل بن گئے۔ تب ان تعلیم یافتہ نوجوانوں نے "انجمن رعایائے ٹونک" کی بنیاد ڈالی۔

دوسری عالمگیر جنگ اسی دور میں ہوئی تھی۔ تب مسٹر ادجیر نے اس نازک وقت میں اپنے حسن انتظام اور مستعدی سے ٹونک میں گرانی نہ ہونے دی اور ساتھ ہی ساتھ خزانہ سرکاری کو بھی مالا مال کر دیا۔ اور دیسی جنور شاہی سکہ اصلی چاندی کے یکایاب ہونے پر بند کر دیا گیا۔ اور گورنمنٹ سرکار ہند کا مخلوط چاندی کا سکہ کلدار رائج کر دیا گیا۔ اس سے ریاست کو کئی لاکھ کا فائدہ ہوا۔

اس دور کے جوڈیشل ممبر رائے بہادر نرائن داس پنجابی تھے۔ ممبری ترقیات کو تخفیف کر دیا گیا۔ اور صاحبزادہ عبدالتواب خاں صاحب ہوم ممبر کے ریٹائرڈ ہو جانے پر چھبڑہ کے ناظم صاحبزادہ محمد توفیق خاں صاحب کو ہوم ممبری پر ترقی دی گئی۔ جنگ کے اس ہنگامی زمانہ میں بھی رئیس ٹونک اور رعایائے ٹونک نے اپنی وسعت سے زیادہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی۔ سن ۱۹۴۰ء کی مردم شماری بھی اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور کریکٹ پویلین کی خوشنما عمارت بھی واقع بہیر سعید الدولہ کی یادگار ہے۔ چنانچہ ٹونک کی سرکاری ٹیم سعادت کلب مسلسل تین سال تک راجستھان کی نامی ٹیموں اور اجمیر کے کالجوں کی ٹیموں کو ہرا کر کالون شیلڈ جیتا۔

جوڈیشل ممبری کے علاوہ ایک جدید کورٹ قائم کیا گیا۔ جس کا چیف جج محمد امیر خاں پنجابی کو بنایا گیا۔ اور ادجیر صاحب انگریز سے ریٹائرڈ ہونے پر میر صاحب ہی کو وائس پریسیڈنٹ ریاست بنا دیا گیا۔

اس طرح ایک طویل عرصہ کے بعد یہ جلیل القدر عہدہ ایک ہندوستانی کو تفویض کیا جاسکا۔ اس سے ریاست میں انگریز گردی کا دور تو ختم ہوا مگر دیسی گھس پھس شروع ہو گئی۔

محمد میر صاحب کا دیسی دور آپسی کشمکش ہی میں گذرا۔ چنانچہ سید نصیر الدین صاحب حیدر ممبر مال اور جے لنڈن بوم صاحب آئی۔ جی۔ پی پولس کو ریٹایرڈ کردیا گیا۔ چیف جسٹس کے عہدہ پر خان بہادر ضمیر الاسلام خاں صاحب بہادر۔ ریٹایرڈ سیشن جج (یو۔پی) علیگڈھ کو کیا گیا۔ ممبری مال کے لئے خان بہادر سید الطاف احمد صاحب خیری کی خدمات ریاست جے پور سے مستعار لی گئیں۔ اور ممبری ترقیات کو از سر نو پھر قائم کیا گیا۔ اور اس کے لئے لیفٹیننٹ خاں صاحب محمد احمد خاں صاحب فاروقی ایم۔اے کی خدمات گورنمنٹ اجمیر سے حاصل کی گئیں۔ راقم الحروف مصنف ہذا کا ترقی کے ساتھ تبادلہ ہیڈ ماسٹری سرونج سے ہیڈ ماسٹری ٹونک پر سعید الدولہ بہادر کے ایماء سے اسی دور میں کیا گیا۔ مگر یہ دور زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ اس وقت کی خاص نزاکت پبلک میں آزادی کا ابھار تھا۔ جس کے پردہ میں کچھ تحریکات اور خرافات کار فرما تھیں۔

غرض محمد میر صاحب سے اس نازک دور کی دستار سنبھل نہ سکی۔ تب نبانس وقت رئیس نے ایک نہایت مدبر تجربہ کار اور ہوشمند و دور اندیش افسر خان بہادر رحیم بخش صاحب قادری بدایونی کی خدمات گورنمنٹ یو۔پی لکھنؤ سے حاصل کی گئیں۔ تب قادری صاحب کی پالیسی نے مقامی تحریک کو بڑی حکمت عملی سے دبایا۔ اور سعید الدولہ کے دل میں قادری صاحب کی وہ عظمت ہو گئی جو کہ بیان سے باہر ہے۔ اور رعایا کی نظروں میں بھی ان کا وقار ایک نیک طینت اور سمجھدار حاکم کا ہونے لگا۔ اس دور کے ممبر مال خان صاحب منظر محمد خاں صاحب ریٹایرڈ ڈپٹی کلکٹر یو۔پی تھے۔ اور خان بہادر ضمیر الاسلام خاں کے چلے جانے کے بعد کافی عرصہ تک چیف جسٹس کے عہدہ پر

کسی افسر کا بھی انتخاب نہیں کیا گیا۔ اور انسپکٹر جنرل پولس کے عہدہ پر حمید اللہ خاں صاحب پنجابی۔ ریٹائرڈ دہلی پولس کا تقرر کیا گیا۔ اور فاروقی صاحب ممبر ترقیات کی واپس اجمیر چلے جانے کے بعد ممبری ترقیات کو دوسری مرتبہ ختم کیا گیا۔

سعید الدولہ بہادر کی دلچسپیاں

نذر باغ کے محل کی آب و ہوا جب سعید الدولہ کی صحت پر اثر پذیر ہونے لگی تو ڈاکٹروں کے مشورہ سے کوٹھی گلزار باغ کی کھلی آب وہوا میں فروکش ہوئے۔ صبح اٹھ کر مشتاقان دیدار اور حاجتمندوں کو مساویانہ ملاقات دینا کسی خاص معزز شخص یا افسر سے کسی اہم معاملہ میں تخلیہ کرنا۔ ہر فریادی کے دکھ درد کو سننا اُن کی روزمرہ کی زندگی کی وہ دلچسپیاں تھیں جو ایک راعی کا پہلا فرض ہے۔ اس سے فراغت پاکر پھر امور ریاست کو سرانجام دینے کے لیئے بنگلہ وائس پریسیڈنیٹ یا کرہ کونسل عالیہ کو تشریف لے جانا ان کا معمول تھا۔ راستہ میں اگر کوئی فریادی مل جاتا تو موٹر رکواکر اس کی بات دھیان سے سنتے۔ اور اسی وقت دربار سکریٹری اس کی درخواست پر کوئی حکم لکھوا دیتے۔ یا دفتر پہنچ کر حاکم متعلقہ سے ملکر کچھ زبانی کہہ دیتے۔ مقررہ ایام اور اوقات میں پیشی اپنے ہی محل میں، یا دفتر حضوری میں کرتے۔ اس پیشی کو ریاست کی اصطلاح میں پیشی حضوری کہتے تھے۔

کرکٹ اور شکار کے عاشق تھے۔ ہندوستان کے چیدہ کھلاڑیوں کو ٹونک بلاکر یا دٹن کرکٹ کلب کے نام سے ایک سعادت ٹیم اپنی جیب خاص سے کھول رکھی تھی۔ جس نے اپنے وقت میں راجستھان کی نامی ٹیموں کو ہرا کر، کالون شیلڈ اجمیر سے جیتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اپنی رعایا میں بھی کرکٹ کھیلنے کے

شوق کو اپنی مالی امداد سے نہایت مقبول بنا دیا تھا۔ اور ٹونک میں ہر سال کرکٹ کا دکل ٹورنامینٹ قائم کیا جاتا تھا۔ جس میں سعید الدولہ اس قدر انہماک دکھاتے تھے کہ کرکٹ پویلین میں دن بھر ٹھیرتے اور اپنے مصارف سے ٹیموں کی ضیافت میں صرف کر دیتے تھے۔ اور ہر طرح ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

چنانچہ کرکٹ، تقریب رئیس اور مقصد برآری کا ایک ذریعہ بن گیا تھا۔ اور عوام اپنے رئیس سے اسپورٹس میں اسپرٹ کا عملی سبق لیتی تھی۔ غرض اپنی رعایا سے ہمدردی، قدمے، درمے، سخنے کرتے رہنے سے وہ اپنے اعزا اور رعایا کے دل کا چراغ بن گئے تھے۔

سہ پہر کے مشاغل میں کبھی ٹینس کھیلتے ہوئے کبھی نواب کو بارٹن کلب فیروز باغ واقع شہر میں دیکھا جاتا تھا۔ اور باوجود ضعیف العمری کے ہر کھیل کو خود بھی اچھا کھیلنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر دوسرے زیادہ طاقت کے کھیل مثلاً فٹ بال، والی بال اور ہاکی کو محض نوجوان کھلاڑیوں کی دلداری کے لئے ان کے میچوں کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ نمود ظاہری کے پابند تو نہ تھے مگر علمار دین و شرع متین کا کمال احترام فرماتے تھے۔ اور ایسا ہی پنڈت صاحبان کا۔ اور اردو ہندی کے شعرار کا بھی۔ مشاعروں میں بھی شرکت فرماتے اور اپنا کلام کسی دوسرے کے ذریعہ پڑھواتے تھے۔ پہلے آپ کا تخلص سعید تھا اور بعد میں مختار کر لیا تھا۔ اور ہندی ہندوستانی زبان میں راج تخلص تھا۔ شاعری میں آپکے استاد مولوی حافظ جام صاحب تھے۔ جو نہایت متقی ہونے کے ساتھ ساتھ ڈرامہ نویس بھی تھے۔ اور شب میں اکثر ناٹک یا سنیما دیکھا کرتے تھے۔ جو اپنی جیب خاص سے قائم کیا گیا تھا۔ اور پبلک کو بھی اس میں مقررہ دنوں میں جانے کی اجازت ٹکٹ لے کر ہوتی تھی۔ شیروں کا شکار ہر سال اپریل میں پت جھڑ کے موسم میں سرونج پرگنہ کے جنگل لٹیری میں جاکر

کھیلتے تھے۔ اور سینکڑوں شیر مار لینے پر بھی یہ شوق کم نہ ہوتا تھا۔ مچھلی وہ بڑے شوق کے ساتھ کھاتے تھے۔ جسے خود شکار کرتے تھے۔ باغات لگواتے اور خوش رنگ اور خوش گلو پرندوں کو پالتے اور شکاری پرند مثلاً باز کے شکاری کرتبوں کو دیکھنے کا بھی شوق فرماتے تھے۔ ہیضہ کی وبا کے زمانہ میں اپنی خواب و راحت کو حرام کر کے محلہ محلہ دوا لیکر پھرتے تھے۔ اور یہ وصف ان کا ایک عدیم المثال نظیر تھی۔

اسی طرح دوسری جنگ عظیم کے دوران میں غلہ کی کمی کو اور اس کی مہنگائی کو رفع کرنے کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے۔ اور غلہ جمع کرتے تھے۔ اور کاشتکاروں سے مہنگے داموں غلہ خرید کر رعایا کو سستے داموں بکواتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کے پورے ٹونک کے باشندگان گواہ ہیں۔ غرض اپنی بہت سی خوبیوں میں وہ امیر الدولہ بہادر نواب محمد امیر خاں کے نمونہ تھے۔ اور بعض میں ان سے بھی بڑھ چڑھ کر۔ چنانچہ انگریزوں کے ہندوستان کو خدا حافظ کہنے سے قبل ہی انہیں ایک ایک کر کے ریاست سے روانہ کر دیا اور پھر سارا نظام ریاست اپنے ہاتھوں میں لے لینا بڑی مطلق العنان سیاست کے ساتھ حکومت کرنا ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔ جو ان کے پیش رو کسی رئیس میں نہ تھی۔ عالم ہونے کی وجہ سے مقرر بھی اچھے تھے آواز بھاری اور بلند تھی۔ ہزاروں کے مجمع میں بے تامل تقریر کر لیتے تھے اور پبلک کی طرف سے کیسا بھی ایڈریس پیش کیا جائے اس کے پائنٹس کو ذہن نشین رکھ کر بر وقت جامع اور برجستہ تقریر کرتے تھے۔ حافظہ کی یہ حالت تھی کہ کسی شخص کو ایک دفعہ دیکھ لیا تو اس کی شکل اور نام بھی ذہن نشین فرما لیتے تھے۔ شہر کے ہر اچھے اور برے آدمی سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس کے محلہ اور گھر اور نقل و حرکت سے بھی واقف رہتے تھے۔ اور بروں کے متعلق اکثر

پولس والوں کی بھی رہبری کرتے تھے۔ اور بیشتر اہم جرائم کی سراغ رسی میں ان کے قیاسات صحیح ثابت ہوتے تھے۔ مردم شناسی میں یکتا تھے۔ ہر شخص کی قلبی کیفیت کو تاڑ لینے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اور عفو چشم پوشی میں سب ہی چھوٹے اور بڑے آپ سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ مروت کے تو بس دیوتا تھے۔ کسی کی غرض کو رد کر دینا یا اس کے منھ پر نہ کہدینا تو جانتے ہی نہ تھے۔ خواہ اس کو پورا کر دینے میں کوئی بے اصولی ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔ بچوں پر شفقت اس درجہ تھی کہ جب اپنی ریاست کے کسی اسکول میں قدم رنجہ فرماتے تو منھ مانگی اور واجبی چھٹیاں بھی دیدیتے۔ اور مٹھائی بھی تقسیم کرا دیتے۔ اپنے سینما کا ایک شو بھی طلباء کے لئے فری کر دیتے تھے۔ مزاج میں متانت مآب خوش مزاجی بھی تھی۔ اور خفگی کے وقت بھی ادب کو زبان اور ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بلکہ اپنے مخالفین اور بدخواہان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک فرماتے تھے۔ اور جب کسی سے کسی بات پر ملال ہو جاتا تو دوسرے وقت اس کے سامنے آتے ہی اسے گلے لگا لیتے۔ اور اس کی غلطی معاف فرما دیتے تھے۔ غرض آپ کا دور ٹونک کی تاریخ میں صحیح آزادی کا گولڈن پیریڈ کہلانے کا مستحق ہے۔

اور اسی طرح اپنا سنہری زمانہ گذار کر مثانے کے مرض میں مبتلا ہو کر جلد ہی ۲۳ مئی ۱۹۴۷ء کو تقریباً دو بجے دن کے بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ اور قبرستان موتی باغ میں دفنائے گئے۔ راقم الحروف مصنف بھی ان کی نماز جنازہ میں جو جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے پڑھی گئی شریک تھا۔ اور میت کے چہرے سے زندگی جیسی رونق سپرد زمین ہوتے وقت بھی دیکھی گئی۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ان کی بڑی بیگم سے جو صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں صاحب یعنی آپ کے

پچا کی صاحبزادی تھیں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جو راجستھان کے مروجہ قانون کے مطابق ریاست کی وارث ہوتی۔ باقی نرینہ اولاد حسب ذیل ہے

شجرۂ مولوی حافظ نواب سر سعادت علی خانصاحب بہادر

صاحبزادہ صادق علی خاں — صاحبزادہ مظہر علی خاں — صاحبزادہ اشفاق علی خاں

صاحبزادہ محمد علیخاں — صاحبزادہ مبارک علیخاں — صاحبزادہ صابر علی خاں

صاحبزادہ مختار علی خاں — صاحبزادہ انور علی خاں

قانونِ ریاست کے مطابق اور رعایائے ٹونک کی متفقہ آواز پر نواب مرحوم کے سوتیلے بھائی صاحبزادہ محمد فاروق علی خاں صاحب کو سرکار برطانیہ ہند نے ۳۱ مئی ۱۹۴۷ء کو جائز وارث تسلیم کرتے ہوئے تخت نشین کیا گیا۔ وہ دربار، انگریز ایجنیٹ دیولی کی سرکردگی میں کوٹھی عیدگاہ باغ میں منعقد کیا گیا تھا۔

~~۳۷۸۱۹~~
۲۷۹۷۶

نواب سعید الدّولہ بہادر کے دور کے مشاہیر

اس دور سے کچھ پہلے ہی دورِ ابراہیمی یا خلیلی میں حکیم مولانا برکات احمد صاحبؒ کا تذکرہ آچکا ہے۔ مگر اس خاندان کا علمی فیض اس دور میں بھی کیوں کہ جاری اور ساری رہا۔ اس لئے حکیم صاحب کی زندگی کو مزید تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کو یہاں ضروری سمجھا گیا۔

حادیِ فروع و اصول جامعِ منقول و معقول یگانۂ روزگار مولانا حکیم سید برکات احمد صاحب بہاری۔ ڈونیکی کی پیدائش ٹونک میں ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حکیم دائم علی صاحب طبیب خاص ٹونک تھے۔ میرنگر ضلع پٹنہ بہار کے خاندانِ سادات کے گرامی قدر فرد تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے عزیز اور بہار کے مشہور فاضل مولانا محمد احسن گیلانی سے حاصل کی تھی۔ تحصیل علم حدیث مولانا عالم علی نگینوی مرادآبادی سے کی تھی پھر فن طب کی تکمیل کے لئے ٹونک آئے اور اپنے والد حکیم دائم علی صاحب سے طب پڑھنا شروع کیا۔

نواب محمد علی خاں مرحوم کے دور میں حکیم دائم علی صاحبؒ کو نواب کے ولیعہد کی اتالیقی بھی سپرد کی گئی۔ پھر جب نواب محمد ابراہیم علی خاں مرحوم ولیعہد، نوعمر ہی میں نواب بنائے گئے تو حکیم صاحب نہ صرف طبیب خاص بنے بلکہ وزیراعلیٰ کے درجہ پر بھی سرفراز کیا گیا۔ اور خان کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔ اور ایک گاؤں جاگیر میں بھی دیا گیا۔ سید صاحب کی شادی ضلع مظفر نگر کے قصبہ پھلت کے اس گھرانے میں ہوئی تھی۔ جس کا تعلق امام العلماء حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ

سے تھا۔ چنانچہ ان ہی (شیخ) بی بی صاحبہ سے حکیم برکات احمد صاحب پیدا ہوئے جو اپنے وقت میں ایشیا کے مایۂ ناز عالم بن کر چمکے۔ غرض حکیم دائم علی صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کی مزید تعلیم کے لئے بہار کے مشہور عالم مولانا لطف علی صاحب کو ٹونک بلوالیا تھا۔ آپ نے مولانا محمد صاحب ٹونکی سے ہدایہ پڑھی تھی۔ اور ٹونک کے محدود دائرہ میں تحصیل تعلیم کی تکمیل کر کے پھر آپ شمس العلماء مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی کی درسگاہ میں رام پور چلے گئے۔ ایسے جید استاذ کی خدمت میں ایسے لائق شاگرد نے پندرہ سال گذارے اور علوم دینیہ کی تکمیل خوب ہی کی۔

تکمیل معقولات کے بعد استاذ کی اجازت حاصل کر کے اپنے حقیقی ماموں مولانا محمد ایوب صاحب محدّث پھلتی، قاضی ریاست بھوپال کی خدمت میں حصول و تکمیل حدیث نبوی کے لئے حاضر ہوئے۔ غرض ایک سال سے زائد عرصے بھوپال میں رہ کر، ٹونک آگئے۔ اور اواخر عمر میں ایک صوفی عالم حضرت مچھلی شاہ حیدر آبادی سے بیعت ہو گئے تھے۔ غرض جب آپ علوم دینیہ سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد ماجد حکیم دائم علی صاحب کی عمر پچاس سال ہو چکی تھی۔ قویٰ مضبوط تھے، مگر تصوف کے تخلیہ کی وجہ سے اور ذکر و شغل کی وجہ سے طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ انہوں نے نواب صاحب سے اصرار کر کے اپنے بلند اقبال فرزند کو اپنی جگہ طبیب مقرر کرا دیا۔ اور اسی عہدہ پر حکومت کے حکیم صاحب نے بھی مدت العمر اکتفا کی۔ آپ کی عمر کل ۷۰ سال کی ہوئی۔ شروع میں مدرس تھے پھر مصنف ہوئے۔ اور آخر میں ایک صوفی صافی درویش نیک اندیش متقی اور زاہد بن گئے۔

اور حب رسول کے جذبہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ شریف پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر درود و سلام کا تحفہ پیش کیا۔ پھر وہاں سے مصر و فلسطین کا سفر کر کے ہندوستان واپس آگئے۔

اس طرح سے آپنے دو مرتبہ سفر حج کیا۔ اور کچھ عرصہ اختلاج کے عارضہ میں مبتلا رہ کر ٹونک ہی میں انتقال کیا۔ اور مولانا صاحب کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

حکیم صاحب کے ٹونکی شاگردوں میں مولانا معین الدین صاحبؒ، مولانا محمد علیؒ خاں صاحب عرف مولوی ننھے صاحب، مولانا محمد عرفان صاحبؒ، حافظ مولوی عبدالستار ظفر صاحبؒ، اور برادرم مولوی فیاض خاں صاحبؒ ممتاز تھے۔

حکیم صاحب کے صرف ایک صاحبزادہ حکیم مولانا محمد احمد صاحب تھے۔ آپ آپ کے والد کے صحیح جانشین تھے۔ اسی لئے آپ کے والد صاحب مرحوم کے بعد آپ نواب ٹونک کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔ اور درس تدریس بھی شروع کر دیا۔ مگر آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور دو تین سال بعد ہیضہ میں انتقال کیا۔

آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک محمود میاں، دوسرے احمد میاں تیسرے مسعود میاں۔ دہلی میں حکمت اور تعلیم سے فراغت پا کر تینوں نوعمر اور ہونہار صاحبان نے ٹونک سے ہجرت کر ڈالی اور پاکستان چلے گئے۔ تب سے اس خاندان کے چشم و چراغ حکیم سید ظہیر احمد صاحب ہی باقی ہیں۔

مولانا معین الدین صاحبؒ ٹونکی و اجمیری:۔ آپ یو۔ پی کے ایک نو مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد ماجد منشی عبدالرحمن صاحب بلیا یوپی کی نومسلم تیلی تھے۔ آپ مع اپنی اہلیہ کے مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ اور دانا پور بہار میں ان کا گھر تھا۔ وہاں سے کسی طرح آپ اجمیر آئے اور اجمیر سے دلوتی بسلسلہ ملازمت سرکار برطانیہ ہند، آ گئے۔ اور وہاں سے سکریٹری کونسل عالیہ ٹونک بنکر ٹونک آ گئے۔ اور سنہ ۱۳۰۹ھ میں مولانا معین الدین پیدا ہوئے۔ اور ٹونک ہی میں تحصیل علم، علوم دینیہ کی کر کے فارغ التعلیم ہوئے۔ آپ علامہ حکیم برکات احمد صاحبؒ

کے مایۂ ناز شاگردوں میں تھے۔ جب آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو ڈھائی سال تک مدرسہ نعمانیہ لاہور کے صدر مدرس رہے۔ اس کے بعد اجمیر شریف آکر درگاہ شریف کے احاطہ میں اکبری مسجد میں مدرسہ معین الحق قائم کیا۔ اور عرصہ تک اس میں درس دیتے رہے۔

پھر جب نواب میر عثمان علی خاں نظام صاحب حیدرآباد، درگاہ شریف کی زیارت کو اجمیر آئے تب انہوں نے آپ کے دینی مدرسہ کا بھی معائنہ کیا۔ اور آپ کے درس سے متاثر ہو کر خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔ اور ایک ہزار روپیہ نقد نذر کئے۔

تب سے مولانا نے اپنے مدرسہ کا نام معینیہ عثمانیہ رکھدیا۔ اور پھر نظام صاحب یا ریاست حیدرآباد کی طرف سے ساڑھے بارہ سو روپیہ ماہانہ کی امداد مقرر کر دی گئی۔

پھر جب مدرسہ کے اراکین سے آپ کا اختلاف ہونے لگا تو آپ نے استعفیٰ دیدیا۔ اور ایک دوسرا مدرسہ حنفیہ صوفیہ کے نام سے قائم کیا۔ آپ کی آخری عمر کچھ جہادی جذبہ کی، بخلاف انگریزوں کی حکومت کے ہو چلی تھی۔ چنانچہ خلافت کمیٹی راجستھان کی صدارت کے جرم میں دو سال تک انگریزوں کی قید و بند میں رہے۔ مگر نہ کسی طاقت سے کبھی ڈرے، اور نہ حق گوئی میں کبھی تامل کیا۔

دورِ ابراہیمی کے بعد ہی دورِ سعیدی کا آغاز، سعید الدولہ نواب سر محمد سعادت علی خاں صاحب کے عہد سے شروع ہوا۔ ویسے تو اس دور میں دورِ ابراہیمی کے مشاہیر علماء اور ممتاز ہستیاں تھیں۔ مگر اس بیدار بخت رئیس وقت نے بھی بعض مقامی و بیرونی حضرات کو اعلیٰ عہدوں پر متعین کر کے نظام حکومت میں چار چاند لگا دیئے۔ اور ریاست کی مشنری دور ماسبق سے ہر شعبۂ زندگی میں سبقت لے جانے لگی۔ اور اس طرح دور سعید کو ریاست ٹونک میں سنہری دور

سمجھا جانے لگا۔ اس لیئے چند مشاہیر کا تذکرہ پیش ہے۔

مولوی حافظ محمد سعادت علی خاں کو ان کے والد صاحب مرحوم کے بعد ہی نواب اعلان کر دیا گیا۔ اور ایک نامی انگریز میجر فریزر کو آپ کا ایڈوائزر اور کونسل عالیہ کا وائس پریسیڈنیٹ مقرر کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی فائینینس ممبری کا عہدہ بھی شامل رہا۔ اس وقت میجر صاحب کے فائینینس اسسٹینٹ رائے بہادر کلدیپ چند تھے۔ جو پہلے ایجینٹ گورنر جرنیل راجپوتانہ کے ہیڈ آفس اجمیر کے ریٹائیرڈ آفس سپیرڈینٹنٹ بھی رہ چکے تھے۔ اس لیئے انہوں نے صیغۂ فنانشل و تعمیرات میں کافی ترقی کر دکھائی۔ بناس ندی پر فریزر برج جس نے ٹونک کی لائف اور تجارت میں ایک نئے مفید باب کا اضافہ کیا ہے۔ ابتک بھی موجود ہے۔

میجر فریزر کے بعد نواب کے دوسرے ایڈوائیزر اور وائس پریسیڈینٹ میجر بارینٹ ہوئے ان کے زمانہ میں نواب کو گورنمنٹ ہند نے نائٹ ہوڈ یعنی (سی۔ایس۔آئی) کا اعزاز بخشا۔

میجر بارینٹ کے تین سالہ دور کے بعد ایڈوائیزری کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ اور میجر اینڈرسن بحیثیت وائس پریسیڈینٹ کونسل عالیہ اور فائینینس منسٹر بن کر آئے۔ مگر اس دور میں عوام کی آواز میں کچھ وزن پیدا ہو چلا تھا۔ اس لیئے ممبری ترقیات کا ایک نیا محکمہ وجود میں آیا جس کے پہلے ممبر ٹونک ہی کے ایک مایۂ ناز قابلِ فخر اور بڑے محب وطن مولوی مولا بخش صاحب۔ ایم۔اے تھے آپ علیگڈھ محمڈن کالج کے زمانہ کے ایم۔اے۔ اور اکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ کے بھی ایم۔اے تھے۔ اور ریاست حیدر آباد دکھن کی فارسیٹ آفیسری کے زمانہ میں آپکو سرکار برطانیہ کی طرف سے خان بہادر کا خطاب بھی مل چکا تھا۔ اس لیئے

خان بہادر حاجی مولابخش صاحب کہلاتے تھے (حاجی حج کا فریضہ ادا کرنے کی وجہ سے اور مولوی شریعت اسلام سے پوری واقفیت ہونے، علم دین سے الفت ہونے اور پابند شرع اور صورت و لباس سے بھی سنت رسول کے متبع ہونے کی وجہ سے مولوی کہے جاتے تھے۔) غرض دین کی فراست اور دنیا کی فراست ان میں بدرجۂ اتم تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے چند سالہ دور میں اپنے وطن اور اس کے فرزندان یعنی نئی نسل کو ترقی و عروج پر لانے کے لئے بس بجلی کا سا کام کیا۔ آگے چل کر انگریزوں کے بعد محکمۂ ترقیات، تعمیرات، تعلیمات، جنگلات و شفاخانہ جات بھی ان ہی فاضل بزرگ کے سپرد کئے گئے تھے۔

غرض حیدرآباد کی سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد خدمتِ وطن کے جذبہ سے ٹونک آئے۔ اور اپنی فراست و جرأت سے ممبری ترقیات حاصل کی۔ اور لیاقت و محنت سے ریاست کے اہم صیغہ جات کا انتظام بہتر کر دکھایا۔ اور ہر ایک میں ترقی دی۔ ایسا تن تنہا نہیں بلکہ ایک ایک کر کے پردیسی افسروں کو چلتا کیا۔ اور ان کی جگہ وہ باشندگانِ ٹونک جو اپنی لیاقتوں کے سبب پردیس میں مختلف عہدوں پر تھے، انہیں خدمت وطن کا جذبہ دلاکر اپنے ساتھ کام کرنے کو ٹونک بلایا۔ اور ٹونک کی پسماندہ پبلک میں اولوالعزمی اور ترقی کی روح اس چراغ الہ دین کی روح پھونک دی۔ ٹونک کی آئندہ نسلوں کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے ہائی اسکول کو ترقی دیکر انٹر کالج بنایا۔ ڈگری کالج کا پلان تیار کیا۔ اور ہر شعبہ کی ٹریننگ کے لئے گرانقدر وظائف دیکر مختلف جگہ باہر بھیجا۔ اور وکالت کی ڈگری لینے اور ماسٹری کی ٹریننگ لینے کافی طلباء کو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں بھیجا۔ چنانچہ اس دور کے بعد کے وکلاءِ ٹونک جو آج بھی چمک رہے ہیں مولوی مولابخش صاحب مرحوم ہی کی خدمت وطن کا ثمرہ ہیں۔ مگر آخیر میں کچھ حاسد و جاہل خودغرض

بالآخر آزاد پبلک کے ہاتھوں اپنی مخالفت اور ناقدری سے تنگ آنے لگے اور رئیس وقت کی حمایت بھی نہ رہنے سے مستعفی ہو گئے۔ اور اپنے شاندار مشن کو پورا نہ کر سکے۔ مگر اپنے ہموطنوں کو آنے والے وقت سے متنبہ کر کے اپنی بڑی جائیداد پر جو ریاست حیدر آباد کے شہر حیدر آباد دکہن میں تھی آپ نے وہاں بھی اپنی جائیداد کے پانچصد روپیہ ماہانہ کرایہ کو وہاں کے اور ٹونک کے دینی مدرسوں میں وقف کر دیا اور کچھ مقامی یتیم خانوں کو بھی دیتے رہے۔ آپ ٹونک کے محلہ رجبن کے رہنے والے تھے۔ اور اپنے بزرگوں کے پیشہ سے چوبداروں سے تھے۔ مگر آپ نے کبھی چوبداری نہیں کی۔ آپ کے والد شیخ خدا بخش صاحب ریاست کی فوج میں میجر تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم ٹونک کے ہائی اسکول میں ہوئی جہاں اب کلکٹری کا دفتر ہے اور کالجی تعلیم علیگڈھ کالج میں حاصل کی۔ آپ اپنے ممبری کے دور میں نواب کے محل نذر باغ کے پاس جو ایک عالیشان عمارت تھی ناتمام کوٹھی کے نام سے ویران پڑی تھی اس کی مرمت کروائی۔ اور دفتر ترقیات اس میں قائم کیا۔ آپ کے دور کے بعد جب محکمہ ترقیات ختم کیا گیا تو اس کے دفاتر بھی ہٹا دئے گئے۔ تب ہی سے اس وسیع عمارت میں ہائی اسکول اور ہائر سیکنڈری اسکول کی کلاسیز جما دی گئیں۔ آپ کے دور سعید کا سب سے بڑا کارنامہ دیسی تحریکات کے ساتھ ٹونک کے نادار طلبار کو وظائف دیکر تعلیم و ٹریننگ لینے کے لئے بھیجنا تھا۔ اور یہ نیک کام آپ کے اقبال کے گرتے ہی ختم ہو گیا۔ اور پھر پردیسی گروی چل پڑی اور یہ رئیس وقت کی پالیسی کے مطابق تھا۔ آپ نے نئی روشن خیال اور تعلیم یافتہ نئی نسلوں کو ملازمت ریاست میں کھپانے کے لئے قانون پنشن بنوایا۔ اور اپنے دور میں سب ہی بڑے عہدیدار پردیسیوں کو اکھاڑ پھینکا۔ اور ان کی جگہ دیسی لائق پودوں کی پود لگا دی۔ غرض ٹونک کے نامی سپوتوں میں آپ کا نام نامی سر فہرست ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو دوسرے جہان میں بھی اعلیٰ علیین میں بھی معزز رکھے۔

افسوس یہ ہے کہ آپ ٹونک چھوڑنے کے بعد حیدرآباد پھر جاتے اگرچہ ٹونک بھی آتے جاتے رہے مگر حبِ پدری میں ایک دفعہ اپنی دختر سے جن کا نام ڈاکٹر عرشیہ تھا ملنے کراچی پاکستان چلے گئے اور وہیں چند دن بیمار رہ کر انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات ۲۸ اگست سنہ ۱۹۶۶ء ہے بعمر ۹۵ سال۔ اس لئے نہ حیدرآباد میں دفن ہو سکے اور نہ ٹونک میں۔

مگر مزید تعجب اور افسوس یہ ہے کہ ان کی زبردست لائف پر اب تک نہ کسی نے ان کی سوانح حیات لکھی۔ نہ ان کے نام سے کوئی صدقۂ جاریہ موسوم ہوا۔ حالانکہ ان کے نام لیوا، ممنون اب بھی ٹونک میں بہت سے ہیں۔

خان بہادر عبدالتواب خاں صاحب :۔ آپ ہوم ممبر بھی رہے۔ دور سعید کے ماہتاب ہیں۔ آپ نہایت کثیر اوصاف کے حامل اور صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب مرحوم، ممبر کونسل عالیہ کے فرزند تھے۔ اس لئے خود بھی کثیر اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔ ہوم ممبر بننے سے پہلے آپ جنیل فوج اور مقرب خاص نواب تھے۔ آپ کو ریاست کی طرف سے فخرالامرار مدیرالملک، سالار جنگ کا خطاب ملا ہوا تھا۔ اور نواب کے چچازاد بھائی ہونے کی وجہ سے مشیر خاص بھی تھے آپ میں غرور غصہ تمکنت، شو، ایذارسانی اور انتقامی سرشت مطلق نہ تھی۔ نہ حسد اور کینہ کا مادہ تھا۔ بس آپ شیریں کی طرح ہر تن من میں سما جاتے تھے۔ آپ ہی کی واحد شخصیت تھی جو ممبری کے انقلابات سے محفوظ رہی۔ حالانکہ اس کے اہل بھی خود خاندانِ امیریہ میں موجود تھے۔ وجہ یہ تھی کہ نواب آپ سے بے حد خوش تھے۔ انگریز بھی خوش تھا۔ اور صاحبزادگان خاندان امیریہ اور عوام بھی خوش تھے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ آپ سے خدا بھی خوش تھا۔

غرض آپ کا اقبال تقریباً پچاس برس تک دو رئیسوں کے دور میں بلند رہا اور آپ اپنی عمر طبعی پر بمطابق قانون ریاست ہی ریٹائر ہوئے۔ آپ انگریزی داں تو نہ تھے مگر ذہین اور نکتہ سنج تھے۔ عالم دین تو نہ تھے مگر آپ کا دل و دماغ شریعت و طریقت کے مسلکوں سے بہرہ مند تھا۔ نہایت نیک چلن، خدا ترس، رحمدل صوفی منش، پابند اوقات دینوی اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ گویا خاندانِ امیریہ میں اپنے اوصاف میں یکتا تھے۔

اگرچہ خان بہادر صاحبزادہ احمد دین خانصاحب مرحوم بھی نائب الریاست کروائی مالوہ بھی ان ہی اوصاف کے حامل تھے۔ مگر انگریزی داں ہونے کی وجہ سے ان میں حکومت اور صاحبزادگیت کی بو زیادہ تھی۔ اور صوفیت کی کم۔ اس لئے ان سے بہتر نہ تھے۔ وہ اصولی بے حد تھے۔ اپنے خیال پر اڑ بھی جاتے تھے۔ مگر آپ ایسے ویسے نہ تھے یہاں تک کہ انگریز کو بھی خیال میں نہ لاتے تھے۔ آپ کو اردو زبان کی کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ دفتری کام کے اوقات کے علاوہ اپنے سفالہ پوش بنگلہ میں بیٹھے اردو کی کتابیں ہی مطالعہ کرتے تھے۔ اس لئے تاریخی معلومات اچھی تھی۔ آپ نے اپنی قیمتی زندگی کو کبھی سیر و شکار، مرغ بازی، تیتر بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی پر صرف نہیں کیا۔ آپ نے ایک کتاب اپنی ہی خاص زبان میں "تذکرۂ ٹونک" بھی لکھی ہے۔ وہ ایک طرح کی تاریخ ٹونک بھی ہے۔ آپ کو اولیائے کرام و شہدائے عظام کے مزارات پر درود و سلام کے لئے حاضری دیتے رہنے کی بھی عقیدت تھی۔ چنانچہ گھنٹہ گھر کے پاس ٹونک کی سول جج کی عمارت کے نیچے لب راستہ جو کسی بزرگ قدیم کا خاص مزار ہے اور نہایت مقبول ہے امیر صبح یا شام ننگے پاؤں لب راستہ کھڑے رہ کر فاتحہ پڑھتے میں نے خود دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ قبرستان موتی باغ پر بھی فاتحہ خوانی خود جا کر کیا کرتے تھے۔

اور محلہ چھاؤنی میں گلاب شاہ پیر لب ندی کی پہاڑیوں نو غزہ صاحب اور چھوٹے بڑے تکیوں کے مزارات پر جاتے رہتے تھے۔ اور غربا پروری کے لئے خیراتی وظائف پوشیدہ مقرر کر رکھے تھے آپ کو گرے پڑے کاغذات بین کر اپنے تھیلہ میں بھر کر انہیں کسی غیر استعمالی پانی کے کنویں میں ٹھنڈا کرنے کا بھی شوق تھا۔ کیوں کہ آپ کا جسم غیر ورزشی بھاری تھا۔ اس لئے اواخر عمر میں فالج نے مفلوج کر دیا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ صاحب زکوٰۃ ہونے کے باوجود فریضۂ حج ادا نہ کر سکے۔ اور داڑھی رکھنے کی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عمل نہ کر سکے۔ غرض ۱۹۵۲ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اور اپنے با اوصاف فرزند صاحبزادہ عبدالمصور خاں صاحب کو اپنی یادگار چھوڑا۔ انہیں جوانی میں تو شکار کا شوق تھا اور پھر اپنے نادرات، ہتھیار، کتب قدیم اور دیگر اشیاء کو قرینے سے رکھنے کا شوق تھا

صاحبزادہ خان بہادر احمد دین خاں صاحب ۔ آپ بھی مومنانہ اوصاف کی ایک ممتاز ہستی تھے۔ آپ ٹونک کے محلہ رجن ہی کے ایک جاگیر دار گھر کے مایۂ ناز فرد تھے آپ کی تعلیم ڈیلی پرنسز کالج اندور میں ہوئی تھی۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ وہیں ریاست کوروائی کے ولیعہد رئیس کے اتالیق ٹیوٹر بنا دیے گئے۔ پھر پرنس کے نواب ہو جانے پھر ریاست کوروائی (مالوہ) کے دیوان بنا دئے گئے۔ اسی دور میں آپ کو گورنمنٹ ہند کی طرف سے خان بہادری کا خطاب عطا کیا گیا پھر وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ اپنے وطن کی خدمت کے شوق میں ٹونک آگئے اور بنابعض وقت ممبر ترقیات یعنی مولوی مولا بخش کی تجویز پر مردم شناس اور باجوہر رئیس نے آپ کو ناظم سرونج بنا دیا۔

سرونج (مالوہ) کے باشندگان رشوت دینے اور حکام کو اس کا عادی بنا دینے میں بہت مشہور تھے۔ مگر آپ نے اپنے دور نظامت میں وہاں کی ہوا ہی

بدل ڈالی کیوں کہ آپ کی عدالت رشوت ستانی اور سفارشات سے پاک تھی۔ اور اس میں اسلامی قرن اولیٰ کی جھلک پائی جاتی تھی۔

آپ کی طبیعت میں نفاست، خوش پوشاکی، خوش خوراکی، خوش اخلاقی ظرافت متانت کے ساتھ ——————— کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کا قد درمیانی تھا۔ سڈول اور پھرتیلا بھی تھا۔ آواز بھاری اور بلند تھی صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے۔ اور نماز ہمیشہ باجماعت پڑھتے تھے۔ اور ٹونک کے قیام کی حالت میں بھی اور سفر میں بھی نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ اور ہر نمازی سے خوش رہتے تھے۔ اس لئے بعض عیار لوگ اپنی مطلب برآری کے لئے کچھ دن پہلے سے صاحبزادہ کے ساتھ نماز عارضی دکھاوے کی پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ آپ بڑے صادق القول تھے، وعدہ کے پکے، مستقل مزاج اور پابند اوقات تھے۔ اور نمازی مسلمان کو مستفید اور سرفراز فرما کر خوش ہوتے تھے۔ بااصولی اس قدر تھے شکار کو جب کسی مقام کی سوچ کر چلتے تو وہیں پہنچکر شکار کھیلتے۔ اور راہ میں اگر کوئی شکار مل بھی جاتا تو اسے نظر انداز کر کے اس پر گولی نہ چلاتے تھے۔ خواہ وہ کتنی ہی زد میں کیوں نہ ہو۔

اس وقت کے انگریز وائس پریسیڈینٹ مسٹر ڈی، ای ادجیرس سے کسی انتظامی معاملہ میں آپ کا اختلاف ہو گیا تھا۔ مگر آپ دبے نہیں۔ استعفیٰ دیکر آبیٹھے۔ اور ملازمت کی طرف باوجود رئیس وقت کی خواہش کے پھر التفات نہیں کیا۔ اور بقیہ عمر گوشہ نشینی سے گذاری۔ عبادت اور تقوی ساری عمر کا ان کا خصوصی وصف رہا۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنے ایک خادم کے لڑکے کو لیکر پالا تھا۔ اور اپنا اثاثہ کا بیشتر حصہ تو خیرات کر گئے۔ اور بقیہ حصہ منھ بولے بیٹے کو دے گئے۔ کچھ عرصہ علیل رہ کر ٹونک میں ہی انتقال کیا۔ اور قبرستان موتی باغ میں دفنائے گئے۔

نوجوانی میں کرکٹ کھیلنے کے بڑے شوقین تھے مگر نماز کی پابندی اس حالت میں بھی کرتے تھے۔ اور دوران ظہر وعصر پویلین کے کسی گوشہ میں ہی ادا کرتے تھے۔ دل مومنانہ اور دماغ منصفانہ اور زبان نہایت نستعلیق تھی۔ سنتے سب کچھ تھے مگر بولتے بہت سنبھلے ہوئے انداز میں ایک خاص متانت اور مسکراہٹ کے ساتھ۔

سید محمد عمر میاں :۔ اسسٹینٹ انجینیر آپ سادات قافلہ کے نامی حسنی خاندان سے تھے۔ اسکولی تعلیم ٹونک کے ہائی اسکول میں پائی۔ آگے چل کر کالج تعلیم میں بڑے ہونہار ثابت ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی سید زبیر میاں نے آپ کو محمڈن کالج علیگڈھ میں تعلیم دلوائی۔ پھر آپ نے جرمن جاکر انجینیری کی تعلیم حاصل کی اور بعد فراغت تعلیم آپ ریاست بھوپال میں اور جوناگڈھ میں بھی انجینیر رہے اور زندگی کے آخری دور میں اپنے وطن ٹونک کی خدمت کے لئے چیف انجینیر ہو کر آگئے۔ آپ غازی مولانا سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی نسل سے تھے۔ آپ بڑے متواضع، خلیق اور سادہ مزاج تھے۔ فیض بخشی آپ کی عادت تھی۔ اس وقت دیسی گردی میں ریاست کی بدانتظامی سے متاثر ہو کر آپ نے ریاست ٹونک کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ اور واپس جوناگڈھ چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ آپ نے جاپان کی بھی سیاحت کی تھی۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید طلحہ میاں اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ اور مولوی فاضل اور عربی میں ایم اے ہونے کی وجہ سے وہاں کی دنیا میں مشہور تھے۔ یہ بھی انتہائی خلیق بڑے متقی اور ولی صفت وصوفی منش عجیب ہی انسان اور نمونہ کے مومن تھے تقسیم ہند کے وقت پر پورا ہی خاندان ٹونک سے پاکستان ہجرت کر گیا۔

منشی محمد ابراہیم صاحب :۔ سیاح جاپان۔ آپ بھی محلہ قافلہ کے باشندہ تھے۔ اسکولی تعلیم ٹونک ہی میں پائی تھی۔ پھر صنعت وحرفت کے لئے

ذاتی ذوق سے آپ نے جاپان کی سیر کی اور سفر بھی کیا۔ اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر سوتی کارخانہ کا کام سیکھا۔ اور اپنے وطن ٹونک آ کر اپنے ذاتی سرمایہ سے ایک چھوٹا سا کپڑا بننے کا کارخانہ سرائے میر سامان صاحب واقع محلہ شورگران ٹونک میں کھولا اور کئی نوعمروں کو کپڑا بننا سکھلایا۔ آپ کو ٹونک کے نوجوانوں میں تعلیم کا شوق و ذوق پیدا کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اور واقعی بڑی لگن تھی۔ اور پڑھ لکھ کر ملازمت کرنے کے بجائے صنعت و تجارت کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ انکی علمی خدمت کا معمول یہ روزانہ تھا کہ ہائی اسکول شروع ہوتے ہی آ بیٹھتے تھے۔ اور کچھ دیر تک متعلقہ اسکول کی ہر غلطی یا غفلت کو ایک پرچہ پر نوٹ کر کے ہیڈ ماسٹر کو دیدیا کرتے تھے۔ تاکہ اصلاحی ایکشن لیا جائے۔ اس وقت تک ٹونک میں ایف اے کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور طلبار کو بغرض کالج تعلیم باہر جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ذمہ داری پر رات کے وقت سرکاری اسکول ہی کے ایک کشادہ کمرہ میں لائٹ کا انتظام کر کے ایف۔ اے۔ کی کلاس کھولی اور اس کے مصارف ریاست کے محکمہ ترقیات کے ذمہ ڈالے۔ جس کے لئے مولوی مولابخش صاحب ممبر ترقیات و تعلیمات نے بڑا تعاون کیا۔ اور منشی صاحب بغیر کسی الاؤنس کے اس نائٹ کالج کی نگرانی بلاناغہ خود ہی کیا کرتے تھے۔ اور قابل داد بات یہ ہے کہ اس سبب کالج کے طلبار کا نتیجہ یونیورسٹی کے امتحان میں سو فی صدی ہی رہا کرتا تھا۔ آپ نے تقریباً نوے برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور اپنی حیات میں ہی اپنے دو صاحبزادگان کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔

صاحبزادہ محمد الیاس خاں صاحب۔ افسر شکار، آپ نواب سعید الدولہ بہادر کے حقیقی چچا صاحبزادہ محمد اسحٰق خاں صاحب کے فرزند اکبر تھے۔ اور کیوں کہ ولایتی بیگم انخانی النسل ہ سے تھے اس لئے شاندار وجاہت اور خوبصورت

شکل وصورت اور سرخ وسفید رنگ کے اور توانا وسڈول جسم کے نہایت خلیق وخنداں پیشانی کے انسان تھے۔ اور اردو فارسی بخوبی بول سکتے تھے۔ اس لیئے کہ تھرڈ افغان وار کے بعد گورنمنٹ برطانیہ ہند نے پٹھان ریاستوں اور علاقوں کے چیدہ سرداروں کا ایک وفد بطور خیر سگالی کے اور دوستانہ تعلقات بڑھانے کے لیئے کابل بھیجا تھا۔ چنانچہ ریاست ٹونک کی طرف سے آپ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ تب آپ اس ہندوستانی وفد کے ساتھ کئی مہینے تک کابل میں سرکار افغانستان کے مہمان رہے تھے۔ شکار کا آپ کو لڑکپن ہی سے شوق تھا۔ اس لیئے شکاری کتے پالتے تھے۔ اور اپنی مہارت شکار کی وجہ سے اپنے بہنوئی نواب کے ہمراہ ہر سال شکار کھلانے سرونج وپیری وچھبڑہ پرگنات مالوہ جایا کرتے تھے۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیئے اپنے خادموں کے بچوں ہی کی پرورش کیا کرتے تھے۔ آپ کے سگے چھوٹے بھائی صاحبزادہ سردار محمد خاں ٹونک کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ اور انگریزی تمدن کے سردار تھے۔ میو کالج کی تعلیم سے فراغت کے بعد کالج کے پرنسپل کی سفارش پر آپ نے گورنمنٹ برطانیہ ہند کی سروس اختیار کرلی تھی۔ اور گزیٹیڈ افیسری سے بتدریج ترقی کرکے کبھی بمبئی احاطے کی گورنمنٹ سروس میں کراچی چلے گئے۔ اور سندھ کے کلکٹر بھی ہوگئے تھے۔ اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد جوناگڈھ ریاست کے دیوان بھی رہے اور اواخر میں اپنے وطن ٹونک آکر مقیم ہوگئے تھے۔

آپ کو انگریزی زبان کے اخبار السٹریٹڈ ویکلی کے دیکھنے اور نادرات ہر قسم کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ پرشن حل کرنے میں منہمک رہتے تھے۔

اسی ہی ریٹائرڈ لائف میں آپ نے اپنی حویلی کے احاطہ میں ایک جدید طرز کی کوٹھی بنوائی۔ جس کے ہر روشندان اور در پر انگریزی میں .S.M.K کوہے کے

حروف میں لگا ہوا ہے۔ یہ حروف ان کے نام کے مخفف ہیں سا علی انگریزوں سے آپ کے بڑے تعلقات تھے۔

غرض شاندار زندگی بسر کی۔ راجپوتانہ کی راجپوت ریاستوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی، آپ صاحب اولاد بھی تھے۔ انجمن رعایار کے جذبات سے آپ کو دلچسپی تھی۔ اور اسی لئے اس کی امداد بھی فرماتے رہتے تھے۔ اور غالباً یہ جذبہ پبلک کو نواب وقت کے خلاف اٹھانے کے لئے تھا۔ کیوں کہ نواب نے ان کے ریٹائیری کے دور میں انہیں بر بنائے مصلحت وائس پریسیڈنٹی ریاست پر لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

آپ ملاقاتوں میں نہایت خلیق و متواضع مگر باقاعدہ تھے۔ طبیعت میں تکلف اور نشو بھی خاصا تھا۔ غرض اپنی ساری زندگی ٹونک سے باہر رہ کر بڑی کامیاب گذاری۔ اور آخر عمر میں جب ٹونک آکر مقیم ہوئے تو دماغی صحت بتدریج بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا بے نظیر عجائب خانہ و کوٹھی کو برباد کر ڈالا۔ آپ کے دماغ پر فالجی اثرات پڑنے سے ہیڈ ہمیرج ہوا۔ اور اسی کے صدمہ سے انتقال فرمایا۔

صاحبزادہ عبدالشکور خاں صاحب:۔ آپ نواب محمد علی خاں کے فرزند صاحبزادہ محمد صدیق خاں صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ اس لئے سعیدالدولہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی بھی تھے۔ مزاج کی سادگی اور شرافت میں اپنا جواب آپ ہی تھے آپ نے ابتدائی تعلیم ٹونک ہی کے اسکول میں پائی۔ اور شکار کا شوق لڑکپن ہی سے لگ گیا تھا۔ مگر اس میں آپ نے اعلیٰ مہارت حاصل کر لینے کے علاوہ اس کا مطالعہ بحیثیت ایک فن کے کیا۔ اور اپنے قیمتی تجربات سے شائقین شکار کو ایک عمدہ کتاب رہنمائے شکار کی تصنیف سے مستفید کیا۔ پہلی تصنیف اردو میں تھی۔

اور دوسری میں اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ آپ نہایت خلیق تھے اور شکار کی ذاتی مہموں کے علاوہ نواب کے ساتھ اکثر راہبر شکار بن کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک زبردست شیر کے شکار کا واقعہ دلچسپ لکھ کر آپنے ھمایا ھل کی ڈائجسٹ کے دفتر کو بھی بھیجا تھا۔ جو طبع ہو کر نہایت مقبول ہوا۔ آپ نے طویل عمر پائی اور چار نوابوں کے عہد کو گوشۂ شکار سے دیکھا کئے۔ مگر کبھی کوئی ملازمتی عہدہ حاصل کرنا نہیں چاہا۔ اس لئے کہ خود ایک قانع جاگیر دار تھے۔ آپ کی شہرت راجپوتانہ کے راجپوت سرداروں میں کافی تھی۔ اس لئے کہ آپ نے راجپوتانہ کے ہر شکاری گوشہ کو چھان مارا تھا۔ نشانہ آپ کا ٹونک میں سب سے صحیح مانا گیا تھا۔ اڑتے پرندوں کو گرانا ایک معمولی سی بات تھی۔ غرض جنگل کے بادشاہوں (شیروں) کو مار گرانے والا انسان دلاور و دانا ضرور تھا۔ قوی الجسم اور دراز قد و قامت کا نہ تھا۔ بلکہ منحنی جسم اور پستہ قد کا تھا۔ اس لئے آپ چست و چالاک شکار میں ہو جاتے تھے۔

پروفیسر محمود شیرانی :۔ آپ ٹونک کے ایک نامی شاعر اختر شیرانی کے والد تھے اور خود بھی اردو کی علمی دنیا میں شہرت ہند کے حامل تھے۔ کیوں کہ آپکا تذکرہ دورِ تعلیل میں بھی آچکا ہے۔ اس لئے مزید تفصیل کا محتاج نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ نے اردو زبان کی تولید کو پنجاب کا ہونا اپنی مشہور تصنیف میں ثابت کیا ہے اور اس کی قدر دانی پر آپ کو ڈاکٹر آف آرٹس۔ کی اعزازی ڈگری پنجاب کی لاہور یونیورسٹی کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ آپ نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ اردو کا جنم بھوم دہلی میں ہوا ہے۔ بلکہ ترکوں کے ابتدائی دور میں اس کا گہوارہ پنجاب کو ثابت کیا ہے۔ خواہ اس کی شاعری کی ابتدا دکھن میں پڑی ہو یا دہلی میں۔

پروفیسر مولوی مظہر حسن خاں صاحب :- آپ اپنے دونوں علامہ بھائیوں (مولوی محمود حسن خاں و مولوی حیدر حسن خاں صاحب) کے چھوٹے بھائی تھے اور ادب عربی میں کمال رکھتے تھے۔ اس لئے میسور یونیورسٹی کی پروفیسری عربی پر لے گئے۔

آخر عمر میں ٹونک آکر اپنے اندوختہ سے بازار قافلہ میں چند دوکانیں خرید لیں جس میں اقبال نام کا ہوٹل بھی عرصہ تک لگا رہا۔ مگر شومئ قسمت سے آپ کی مطلقہ زوجہ سکینہ مقیم جے پور نے اپنے مہر سوا لاکھ کی ڈگری حاصل کر کے ان کی کل جائیداد نیلام کروا ڈالی۔ اس تباہی و فاقہ و بربادی کا سبب لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مولانا اپنی حلال دولت سے لوگوں کو قرض دیدیا کرتے تھے اور سخاوت کو بخل پر ترجیح دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے آخر عمر میں کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور پھر متعدد بیماریوں میں الجھ کر انتقال فرمایا۔

پروفیسر مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب :- آپ بھی ٹونک کے افغانی النسل پٹھان گھرانے سے تھے۔ نہایت خوش رو، خوش لباس اور خوش خوراک مومن مسلمان تھے۔ چہرہ نہایت نورانی تھا۔ اور اس پر دودھیا رنگ کی سفید شرعی ڈاڑھی، انہیں ہزاروں میں نمایاں کر دیتی تھی۔ آپ ساری عمر ریاست حیدرآباد دکن کے پرنسپل کالج میں عربی کے مدرس رہے۔ وہاں سے ریٹائر ہو جانے اور رضاکاروں کی گڑبڑی کے بعد آپ ٹونک اپنے ہی وطن آگئے تھے۔ اور مولوی عبداللہ خاں صاحب ولایتی جو آپ کے ماموں تھے ان کی حویلی واقع چوکی کمہاران میں آکر مقیم ہوئے۔

آپ بے حد خلیق، بھولے اور متواضع مزاج کے تھے۔ آخری عمر میں بنظر کفالت ایک شریف پٹھان ولایتی خاندان کی بیوہ سے شادی کر لی تھی۔ اور اسکے کچھ عرصہ بعد ہی آپ کا انتقال چند روز ہی میں ہو گیا۔ موتی باغ کے قبرستان میں

دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر بہتر سال کی ہوئی۔

شعراء کے زمرہ میں بھی چند کامل اساتذہ اسی دور میں ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحبزادہ محمد سعید خاں عاشق بھی تھے۔ جو داغ دہلوی کے شاگرد بھی رہ چکے تھے۔ عشقیہ شاعری میں کمال رکھتے تھے۔ اور زبان نہایت ٹکسالی دلی کی سی تھی۔ اور اپنے زور کلام، سلاست زبان اور رنگ تغزل میں نہ صرف ٹونک میں بلکہ ہندوستان میں بھی ان کا پایہ داغ ثانی ہی سمجھا جاتا ہے۔ آپ کا بایاں ہاتھ مفلوج تھا۔ پان بہت کھاتے تھے ________

________ سر پر گو آباریک ململ کی ٹوپی اور جسم پر کرتا اور شرعی پائجامہ اور سلیم شاہی جوتا۔ اور کبھی کتھئی رنگ کا جوتا استعمال کرتے تھے۔ آپ نے نواب ابراہیم علی خاں صاحب خلیل کے دورِ حکومت میں شاعری شروع کی اور سنہ ۱۹۴۰ء میں یعنی نواب سعادت علی خاں صاحب کے ابتدائی دور میں ٹونک کے شعراء کے استاد بن کر انتقال فرمایا۔ اور ٹونک میں دلی اسکول کے شعراء کی ابتدا کر گئے۔

کیف صاحب :۔ حافظ عالمگیر صاحب کیف نے نواب سلیمان خاں اسد لکھنوی سے شاگردی کی تھی۔ کلام میں پختگی، جامعیت اور زبان کی سلاست بلا کی تھی۔ ٹونک میں لکھنؤ اسکول کے آپ ہی استاد مانے جاتے ہیں۔ اس طرح عاشق صاحب دہلی کی زبان اور طرز کے اور کیف لکھنؤ کی زبان اور طرز کے مستند شاعر، دورِ ابراہیمی میں ہوئے ہیں۔ اور ہر دو صاحبان آپس میں بڑے رفیق تھے۔ مگر شاعرانہ نوک جھونک بھی چلتی رہتی تھی۔ یہ دونوں حضرات یکساں پستہ قد ایک سی عمر اور ایک سے رنگ و خد و خال کے تھے۔

کیف صاحب ایک متقی، نمازی اور حب رسول سے سرشار شاعر تھے۔

زیادہ تر جھالاواڑ میں رہتے تھے۔ وہاں کے راجہ بھوانی سنگھ جی انہیں کیف بھگوان کہتے تھے
وہیں پر آپ کا انتقال ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ میدانِ غزل میں تو آپ نے غالب کے بعد بس کمال ہی کر
اور نعت و منقبت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی طبیعت سپاہیانہ تھی
اگرچہ ان کی قوم کا پیشہ سپاہیانہ نہ تھا۔ چلتے پھرتے ہر وقت ہاتھ میں تلوار یا لاٹھی
ضرور رکھتے تھے۔ مولویانہ وضع صافہ باندھتے تھے۔

مولوی سیف صاحب :۔ جو سیف شاعر کے نام سے مشہور ہیں اور
دورِ سعادت کے اساتذہ میں شمار کئے جاتے ہیں آپ ہی کے نیک فرزند ہیں
جو ساری عمر ہائی اسکول میں مدرس عربی رہے۔

جامؔ صاحب :۔ حافظ محمد جامؔ صاحب بڑے متقی اور نمازی تھے۔
اپنی شاعری و اخلاقی اوصاف و قابلیت سے نواب سعادت علی خاں صاحب
کے مصاحب بنے۔ اور پھر استاد بھی۔ تب نواب نے آپ کو مشیرِ سخن اور اپنے
ناٹک و ڈرامے کا انچارج بنا دیا۔

شیکسپیر کی طرح آپ میں شاعری اور ڈرامہ نویسی کے دونوں اوصاف
یکجا کمال پر تھے۔ آپ اپنے استاد عاشق صاحب کے مایۂ ناز شاگردوں
میں سے ہیں۔ بڑے عابد و زاہد ہونے کے ساتھ ڈرامہ کے برعکس ماحول میں
رہ کر شراب اور نواہی کے امور سے بچے رہنا بس ان ہی کا کام تھا۔ رات میں جاگنا
پڑتا تھا۔ مگر اس دنیوی شغل کو دینی شغل یعنی نماز میں بدل دیتے تھے۔ اور ساری
رات عبادت الٰہی میں گذار دیتے تھے۔ قد کے مناسب جسم کے سڈول اور شکل
وصورت کے مناسب گہرے گندمی رنگ میں کشش والا کتابی چہرہ رکھتے تھے
آواز میں ترنم تھا۔ اور قرأت کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت سامعین کو وجد میں

[ا]بھر آئی تھی۔ آپ کی پیشانی پر سجدوں کی کثرت سے ایک نمایاں نشان بن گیا تھا۔ جیسے قرآنِ پاک میں سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ کو جنتیوں کی پہچان بتلایا گیا ہے۔ آپ کی ڈاڑھی شرعی وضع کی تو نہ تھی مگر خشخشی ضرور تھی۔ غالباً ان پر یہ ماحول کا اثر تھا۔ ان کے مسکراتے ہوئے چہرہ پر خوش اخلاقی، صفائی قلب، رحمدلی اور تقویٰ نمایاں تھے۔ حافظ ہونے کے علاوہ مولوی بھی تھے۔ اور غالباً حکیم برکات احمد صاحب رح کے شاگردوں میں سے تھے۔ دن کے اوقات میں سرکاری ناٹک گھر کے انتظام میں مصروف رہتے تھے۔ اور رات عبادت الٰہی اور اوراد و وظائف میں گذارتے تھے۔ ان کی نوافل کا قیام ایک گھنٹے سے کم نہ ہوتا تھا۔ غالباً اسی میں تلاوت کرتے تھے۔ اور سجدہ بھی پندرہ منٹ سے زائد ہی کا ہوتا تھا۔

آپ کے اشعار میں دہلی کی زبان اور لکھنؤ کی شوخی کا مزہ آتا ہے۔ آپ کی شاعری کا ایک دیوان بھی مرتب کیا گیا۔ مگر اب وہ لاپتہ ہے۔ لباس میں شیروانی، اونچی باڑھ کی کالی مخمل یا اونی پشمینے کی ٹوپی اور تنگ مہری کا پائجامہ زیب تن کرتے تھے۔ غرض ظریف مزاج تھے خوش لباس اور بڑے وضعدار تھے۔ آپ نے لڑکپن میں کیوں کہ پہلوانی بھی کی تھی اس لئے جسم بھرا ہوا اور نہایت سڈول تھا۔ پیشانی بلند تھی اور مزاج میں خوش خلقی و ظرافت کے ساتھ متانت و فراست بھی تھی۔ قومیت سے نہ سید تھے نہ پٹھان۔ بس مسلمان تھے۔

صاحبزادہ حاجی مولوی مہندس عامل حافظ عبدالقدوس خاں صاحب وکیل

آپ نے عمر کے بیشتر حصہ میں وکالت کی مگر حج بیت اللہ کر لینے کے بعد سے چھوڑ دی آپ اپنے وقت کے مہندس نجومی ماہر علم رمل و جفر تھے۔ بٹیریں پالنے لڑانے اور شطرنج کھیلنے کا شوق ساری عمر رہا مگر اس کے ساتھ ہی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اوراد و وظائف اور عملیات تعویذ گنڈے کا بھی شغل جاری رکھا۔ قد درمیانی اور

سڈول تھا۔ کیوں کہ جوانی میں کسرت کرتے تھے۔ چہرہ نہایت نورانی و کتابی تھا۔ آنکھ ملافی اور نرگسی تھیں۔ اور ڈاڑھی لانبی اور گنجان۔ سر پہ پٹھے کبھی نہ رکھے کترے ہوئے بال رکھتے تھے چال دھیمی اور سوچ بچار کی ہوتی تھی۔ جیسے کسی خیال میں غرق ہیں۔ ملاقات میں باتیں بڑی سنجیدہ اور ہر موضوع پر کر لیتے تھے۔ اور بٹیر بازی و تیتر بازی پر اپنے ماہرانہ تجربات سے ، سننے والے کا دل خوش کر دیتے تھے۔ آپ ہی کے پڑوس میں ایک مجذوب صفت مولوی حافظ صاحبزادے رہتے تھے۔ جنہیں کلو میاں دیجی صاحبزادہ بھی کہتے تھے۔ علم رمل و جفر میں ان کا ثانی راجپوتانہ میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ کبھی بحالت دیوانگی ننگے سر پیر بھی ہو جاتے تھے۔ مگر بات کا جواب کبھی دیدیتے تھے کبھی خاموشی اختیار کرتے تھے۔ غرض حاجی وکیل صاحب کو ضعیف العمری میں فالج کا اثر ہو گیا تھا تب سے خانہ نشین ہو گئے تھے۔ اور کئی ہفتہ علیل رہ کر انتقال فرمایا۔

دیوان دھنا لال جی :۔ آپ ڈگامبر جینیوں کے مانک چوک قدیم محلہ ٹونک کے سر برآوردہ حضرات میں سے تھے۔ آپ اردو ہندی کے ایک اچھے اہلکار حاضر جواب ہونہار، صاحب رائے، منتظم، مدبر، دور بیں اور قدیم وضع قطع کے نہایت مہذب انسان تھے۔

پہلے آپ ٹونک اسٹیٹ میں تحصیلدار تھے پھر ٹونک سروس چھوڑ کر بوندی اسٹیٹ میں نائب ناظم ہوئے۔ پھر ناظم بنے یہاں تک کہ بوندی کے دیوان بنا دئے گئے۔ مگر ان کے قدر داں راجہ کے گذرتے ہی ولیعہد نے رئیس بن کر ان سے خصومت برتی۔ جس کی وجہ سے انہیں راتوں رات بوندی چھوڑ کر ٹونک آنا پڑا۔ تب ٹونک میں اطمینانی و محفوظ زندگی میسر آنے پر اپنے مکان کو وسیع اور آرام دہ بنوایا۔ آپ بڑے حاضر دماغ اور برجستہ بولنے والے تھے۔ اور بڑے مردم شناس تھے۔ اور اپنی خانہ نشینی کے زمانہ میں ٹونک کے رئیس، حکام اور شرفاء سے اچھے تعلقات بنائے رکھے۔

اور رعایائے ٹونک کی بہبودی میں بھی خاموشی کے ساتھ سرگرم رہے جسم کے فربہ اور قد کے میانہ تھے۔ ڈاڑھی راجپوتوں جیسی رکھتے تھے۔ اور پگڑی مہاجنوں جیسی باندھتے تھے۔ اور آواز بلند تھی۔ غرض بڑے خوش قسمت تھے۔ اور ضعیف العمری میں چند دن علیل رہ کر رحلت فرمائی آپ نے دو لائق فرزند چھوڑے۔ بڑے مسٹر منوہر لال جی جو ہوم ممبری میں سر رشتہ دار تھے۔ اور چھوٹے مسٹر چاند مل جی جو اپنی شروع سروس ہی میں آپ اس وقت کی قدر دانی اور اس ممتاز خاندان کے لحاظ سے مجسٹریٹی کے عہدہ پر فائز کئے گئے۔ پھر آگے کی زندگی میں آپ نے وکالت شروع کر دی۔ اور اب جے پور کے ایڈوکیٹس میں ہیں۔

رائے صاحب نرائن داس جی:۔ آپ پنجابی تھے پہلے سیشن جج کے عہدہ پر باہر جا کر مامور ہوئے۔ اور اپنی لیاقت اور انصاف اور حسن کارگزاری سے جوڈیشل ممبر بنا دئے گئے۔ آپ بیدار مغز خلیق اور صاف بولنے والے تھے۔ تنگ نظر مطلق نہ تھے آپ کی اردو املا انشا بھی ٹھیک تھی۔ اور انگریزی نہایت اچھی۔ یہ ریاست میں پہلے جوڈیشل ممبر تھے۔ ریاست میں کافی عرصہ رہ کر ریٹائر ہوئے اور پھر دہلی چلے گئے۔

محمد میر صاحب پنجابی:۔ چیف جسٹس اور وائس پریسیڈنٹ۔ آپ یو۔ پی سروس کے ریٹائرڈ جج تھے۔ ریاست میں ایک عرصہ سے وائس پریسیڈنٹ کے عہدہ پر نوجی یار یٹائرڈ انگریز حکام مامور ہوتے تھے۔ چنانچہ ڈی۔ ای اوجیر صاحب کے ریٹائر ہونے پر ممبر صاحب چیف جسٹس کو نواب کی بر وقت پالیسی کے مطابق وائس پریسیڈنٹی پر سرفراز کیا گیا۔ اور جے لنڈن لوم صاحب کے ریٹائر ہونے پر حمید اللہ خاں صاحب پنجابی کو جو سینیر سپرڈینٹی پولس سے ریٹائر ہوئے تھے دہلی سے بلا لیا گیا۔ محمد میر صاحب نواب کے اگرچہ بڑے معتمد اور مشیر خاص تھے مگر مدبر نہ تھے۔ اس لئے ان کے دور میں سب ہی محکموں میں بدنظمی سی پھیل گئی۔ غرض ان کی تلون مزاجی کا برا اثر ہے کر نواب نے انہیں معزول کر دیا۔ اس کا ان کے دل و دماغ پر برا اثر پڑا۔ اور اسی صدمہ کی حالت

میں اپنی کار کے ایکسیڈینٹ سے دہلی میں انتقال کیا۔

خان بہادر رحمٰن بخش صاحب قادری:۔ ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ایڈیشنل کلکٹر لکھنؤ۔ آپ بدایوں (یو۔پی) کے نہایت معزز اور نامی خاندان سے تھے۔آپ جب لکھنؤ کے کلکٹر تھے تب آپ کی ملاقات نواب سعادت علی خاں سے لکھنؤ میں ہوئی۔اور وہاں ان کے حسن انتظام کی شہرت سنکر اور ان کی خوش اخلاقی دیکھ کر نواب کی مردم شناس نظر ان کے انتخاب پر پڑی۔اور نواب نے ان کو ٹونک آکر ریاست کا انتظام سنبھالنے کی دعوت دی۔جسے قادری صاحب نے منظور کر لیا۔تب رئیس ٹونک نے آپ کی خدمات یو۔پی گورنمنٹ سے مستعار حاصل کرلیں۔غرض اس طرح میر صاحب کے ہٹنے کے چند ماہ بعد ہی رحمٰن بخش صاحب قادری بڑے اختیارات اور اعزاز کے ساتھ ٹونک ریاست کی وائس پریسیڈینٹی کے اعلیٰ ترین عہدہ پر بلالئے گئے۔اور آزادی ہند کے انقلابی زمانہ میں جب کہ انجمن رعایا ٹونک رئیس وقت اور پردیسی حکام کے خلاف ہلچل مچارہی تھی۔آپ نے اپنی کمال ذہانت مروت خوش اخلاقی سے اس نازک وقت کو خوب ہی نبھایا۔گویا یوں کہنا چاہیئے کہ نہ لاٹھی ٹوٹی اور نہ سانپ ہی مرا۔

مگر انقلابی حالات طوفانی لہروں کی طرح امڈتے چلے آرہے تھے۔اور جلد ہی گردش ملک سے کچھ ہونے والا تھا۔اور وہ یہ کہ سعید الدولہ اچانک پیشاب رک جانے کے عارضہ میں مبتلا ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔اور نواب نے بگھلتی ہوئی سیاست کو قادری صاحب کے سپرد کیا۔

تب گورنمنٹ برطانیہ نے حق دار کو ان کا حق سونپا۔یعنی نواب مرحوم کے سوتیلے بھائی یعنی ہاجرہ بیگم کے صاحبزادہ، صاحبزادہ محمد فاروق علی خاں صاحب کو نواب بنایا گیا۔آپ جس قدر نواب سعادت علی خاں صاحب مرحوم کے معتمد تھے اسی طرح نواب فاروق علی خاں صاحب کے بھی ہو گئے۔مگر نو ماہ ہی میں ان نواب کا انتقال اچانک

حرکت قلب بند ہو جانے سے ہو گیا۔

تب دوسرے قدرداں رئیس کا بھی ساتھ چھوٹ جانے سے قادری صاحب کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔ اور تیسرے رئیس کی تخت نشینی بھی ان ہی کے دور میں ہوئی یہاں تک کہ دو چار ماہ بعد ہی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کا زبردست تاریخی دن آپہنچا۔ اور اس اثر سے کانگریسی راج قائم ہوتے ہی نواب کی خود مختاری اور قادری صاحب کی وائس پریسیڈینسی بھی ختم ہو گئی۔ اور انجمن رعایا کا زور بھی گھٹ گیا اور ریاست ٹونک کا فارم راجستھان کے ساتھ الحاق ہوتے ہی کانگریسی حکومت کے نمائندہ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کی ایڈمنسٹریٹی شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب علمی ڈاکٹر تھے نہ کہ معالج ڈاکٹر۔ آپ کو زبان اردو کی تاریخ تصنیف کرنے پر۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری ملی تھی۔ اس لئے آپ کا شمار اردو کے ممتاز عالموں میں ہوتا تھا۔

اس وقت فارم راجستھان کے پہلے چیف منسٹر شری مانک لال جی ورما ادے پوری بنے۔ غرض ریاست سے بے تعلق ہو جانے پر قادری صاحب اپنے وطن بدایوں چلے گئے اور عرصہ تک گوشہ نشینی کی اطمینانی زندگی گذارتے رہے۔ اور ضعیف العمری میں انتقال فرمایا۔ اور اپنے احباب اعزہ کے لئے فارسی کے اس شعر کا ورد چھوڑ گئے۔

یادداری کہ وقت زادن تو ⁂ ہمہ خنداں بدند تو گریاں

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ⁂ ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

نواب سعادت علی خاں صاحب کے دور سعید میں چند پادری صفت پروٹسٹینٹ عیسائیوں کے بھی ریاست کی سروس میں اچھا نام پایا۔ اس لئے ان کے نام بھی مشاہیر میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

پہلے ریاست کی سروس میں بڑے ڈیسائی ڈاکٹر بمبئی سے آکر ملازم ہوئے۔

اور پھر ان کے انتقال پر ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ٹی۔ ایس۔ ڈیسائی کو اسسٹنٹ سرجن بنایا گیا۔ یہ ابراہیمی دور کے آخری حصہ سے نواب سعادت علی خاں کے دور کے وسط تک اسسٹنٹ سرجن رہے۔ اور شفاخانہ عمارت سعادت ہسپتال کے نام سے منتقل ہو جانے پر چیف میڈیکل آفیسری کی پوسٹ قائم کئے جانے پر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے میڈیکل آفیسر ڈاکٹر منصور صاحب ایم۔ ڈی۔ کی سروس حاصل کی گئی۔ اور ان کے بعد یو پی گورنمنٹ سروس کے ریٹائرڈ سول سرجن رکھے جاتے رہے۔ اور ڈاکٹر ڈیسائی صاحب کو بوجہ خرابی صحت ریٹائر کر دیا گیا۔ مگر ڈیسائی صاحب کی اسسٹنٹ سرجنی کیا تھی بس بیمار پروانوں کے بیچ ایک شمع تھی جو نہ صرف شفاخانہ قدیم کی عمارت میں مریضوں سے گھری نظر آتی تھی۔ بلکہ چلتی پھرتی میں راستہ اور چوراہوں پر بھی یہی کیفیت دیکھنے میں آتی تھی۔ اور خندہ پیشانی ڈاکٹر سب کی فریاد دھیان سے سنتا تھا۔ اور مسیحائی کرتا تھا۔

شفاخانہ پہلے اس عمارت میں تھا جہاں اب دربار سیکنڈری اسکول ہے ڈاکٹر ڈیسائی کشادہ پیشانی پر گھنگرو والے بالوں کے بڑے سر اور گول کشادہ گندمی چہرہ کے اور تندرست و توانا و سڈول جسم کے آدمی تھے۔ ان کی اردو بولی بمبئی والوں کی طرح کچھ اڑی اڑی تھی۔ اور مادری زبان گجراتی نہ تھی بلکہ انگریزی تھی۔

ڈاکٹر ڈیسائی اپنے کام اور فن میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ انہیں تفریحات کے کسی بھی شغل میں اپنے بنگلے سے باہر نہیں دیکھا جاتا تھا۔ (ان کا بنگلہ سعادت ہسپتال کے سامنے تھا۔ جہاں اب زبان اردو کے پروفیسر ڈاکٹر ابو الفیض صاحب عثمانی کرایہ سے اس سرکاری عمارت میں رہتے ہیں۔) اپنے وقت میں وہ ٹونک کے سب سے زیادہ مقبول اور ہر دل عزیز انسان تھے۔ عصر کے وقت وہ ٹینس کھیلنے کی تفریح اور ورزش کرتے تھے۔ اور اس کے لئے ان ہی کے بنگلے میں ایک ٹینس کورٹ بنوا رکھا تھا۔ اور وہ اتوار کے دن بھی باوجود عیسائی ہونے کے اپنی ڈیوٹی پورے

انہماک سے انجام دیتے تھے۔ اور یہ اس لئے تھا کہ ریاست ٹونک کے صدر و پرگنات میں سرکاری تعطیل کا دن جمعہ رکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر ڈیسائی کے سب سے معتمد وانچارج دواخانہ و اسٹور شفاخانہ پنڈت گجادھر لال جی چوبے ساکن و جاگیردار امپورہ (پرگنہ علیگڈھ) رہے پھر پنڈت جی اپنے کمال اخلاق وسیع، انسانی ہمدردی اور اپنے فن کی مہارت کے سبب نہ صرف ڈاکٹر ڈیسائی کے دست راست بنے رہے بلکہ ان کے بعد کے تمام ہی سی ایم او صاحبان کے معتمد خاص اور شفاخانہ کے نظام کی ریڑھ کی ہڈی بنے رہے۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خاں کے بھی ڈاکٹر، کمپاونڈر و مشیر صحت بھی تھے۔ ان کی ایسی ہی طویل زرین خدمات کی قدردانی کرتے ہوئے نواب نے ان کے ہونہار سپوت مسٹر بینی پرشاد کو ریاست کے خرچ سے ڈاکٹری پڑھوائی۔ اور اسسٹینٹ سرجن بنوایا۔ انہوں نے ڈاکٹر ڈیسائی کے ہی نقش قدم پر چل کر ان سے بھی زیادہ مقبولیت و شہرت حاصل کی۔

دوسرے عیسائی ریاست کی سروس میں۔ ایک اینگلو انڈین پادری مسٹر ڈی دی فلیس ہیڈ ماسٹر تھے۔ اس وقت ٹونک میں ہائی اسکول صرف ایک ہی تھا۔ اور میٹرک کا امتحان اجمیر بورڈ سے دیا جاتا تھا۔ اسکول میں فیس کیوں کہ معاف تھی۔ اور روفا تر انگریزی میں تھے اس لئے پبلک کی توجہ انگریزی تعلیم کی طرف بہت کم تھی۔ غرض انگریزی تعلیم کو ریاست میں ترقی دینے کے لئے میجر ذیبز رایڈوائزر نے نواب سعادت علی خاں کے ابتدائی دور میں ایک تجربہ کار لائق اونچے منتظم اینگلو انڈین مسٹر ڈی۔ وی فلیس کو باہر سے بلا کر ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔ یہ اسقدر ڈسپلی نرین، سخت مزاج و ضعدار رعب ناک اور عزلت پسند تھے کہ کسی نے ان کو ہنستے نہ دیکھا تھا۔ نہ کسی سے ملنا پسند کرتے تھے نہ فضول باتیں کرتے تھے۔ نہ سرکاری افسروں کے کلب میں جاتے تھے بس اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اور مرعوب کسی سے نہ ہوتے تھے۔

راقم الحروف مصنف کی اسسٹینٹ ماسٹری ان ہی ہیڈ ماسٹر کے دور میں لگی تھی۔ اور موصوف مجھ پر اپنے سب اسٹاف سے زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ آپ نے میری پہلی ترقی یعنی ایگزیکیوٹو آفیسری۔ ٹونک میونسپلٹی میں لینٹ سروس مل جانے پر اور پھر سعادت ہائی اسکول سرونج (مالوہ) کی ہیڈ ماسٹری کی ترقی ملنے پر مجھ سے شگفتہ رہے یہاں تک کہ خدا کی قدرت سے جب انہیں نواب اسمٰعیل علی خاں کے آخری دور میں بوجہ ۵۵ سالہ عمر ہو جانے کے ریٹائر کیا گیا۔ تو اس وقت کے ممبر ترقیات محمد احمد فاروقی صاحب اجمیری نے صدر ٹونک کی ہیڈ ماسٹری پر بلحاظ سینیرٹی حق کے میرا انتخاب کیا۔ اور اس طرح مسٹر فلپس سے ہیڈ ماسٹری کا چارج مجھے دلوایا۔

مسٹر فلپس بڑے ہی خود دار مستقل مزاج محنتی اور بہترین تربیت طلبار کو دینے والے ثابت ہوئے۔ چنانچہ آپ نویں دسویں کلاسوں کو انگریزی۔ انگریزی ہی میں پڑھاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہر لحاظ سے اسکول کی حالت جلد ہی سنبھال دی۔ اور میٹرک کے امتحان کا نتیجہ بھی اچھا رہنے لگا۔ اور اسکول کی بڑی جماعتوں میں طلبار کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ اور باہر سے ٹرینڈ اساتذہ بھی بلائے جا کر اسٹیٹ سروس میں لئے جانے لگے۔ شروع سے اور ریاست کے راجستھان میں ملحق ہونے تک اسکول کی عمارت وہ تھی جہاں اب کلکٹری کا دفتر ہے۔ اس عمارت کو اسکول ہی کی ضرورت کے کے لئے نائب الریاست سر عبید اللہ خاں نے بنوایا تھا۔

مسٹر فلپس کا رعب طلبار و اساتذہ پر، باوجود دبلے پتلے میانہ قد کے انسان ہونے کے بہت تھا۔ مگر ان کی سروس کا آخری دور کچھ مقامی مخالفتوں کے سبب تلخ ہو گیا تھا۔ وہ عموماً تو انگریزی بولتے تھے۔ مگر غیر انگریزی داں طبقہ سے بنا کر انگریزوں کی طرح اردو خوب بول لیتے تھے۔ ٹونک سروس سے ریٹائر ہو کر انہوں نے اپنا مستقل قیام دہرہ دون میں کر لیا تھا۔ اور کسی قسم کی تجارت شروع کی تھی۔ مگر اس میں

نقصان ہونے پر وہ مالی بحران میں پھنس گئے تھے۔ جس کے سبب ان کا دماغی توازن بھی بگڑ گیا تھا۔ غرض آخری عمر میں پریشانیاں بڑھنے سے صحت نے بھی جواب دیدیا۔ اور انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کے نہ کوئی بیوی تھی نہ اولاد۔ ان کا قیام دور ہیڈ ماسٹری میں اس بنگلہ میں تھا جو چھی لال کے باغ سے مشہور تھا۔ اور جہاں اب ٹیگور ماڈل اسکول چل رہا ہے۔

تیسرے عیسائی اسٹیٹ سروس میں مسٹر ڈی گروس تھے۔ یہ گوبرنسل کے بمبئی کے باشندہ تھے جو نواب ابراہیم علی خاں صاحب کے عہد میں جب بارہ پندرہ سال رہ گئے۔ موٹر ڈرائیور سواری خاص کے ہو کر آئے تھے۔ دوسرے آگرہ کے باشندہ عبدالرشید صاحب تھے جنکے ڈاڑھی تھی۔ کرکٹ کھیلتے اور بائیں ہاتھ سے (باؤلنگ) کرتے تھے غرض پہلی موٹر جو ٹونک میں نواب کی سواری کے لیے لائی گئی اس کے ساتھ مسٹر ڈی گروس بھی آئے۔ پھر بعد میں دیگر موٹروں کے آجانے پر ٹونک گیراج میں میکینک انچارج بھی انہیں ہی بنایا گیا۔ یہ اردو صاف نہ بول سکتے تھے۔ ان کی بھی مادری زبان انگریزی تھی مگر عرصہ تک ٹونک میں رہنے سے کچھ اردو سمجھنا اور بولنا آگیا تھا۔ اور بوقت ناراضگی اردو کی معمولی گالیاں بکنا بھی ان کے شاگرد موٹر ڈرائیوروں نے انہیں سکھادیا تھا۔ جن کے سننے سے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ گہرے گندمی رنگ کے پستہ قد اور فربہ جسم کے آدمی تھے۔ اور ان کا ٹانگیں پھیلا کر دھیرے دھیرے چلنا بڑا پر لطف ہوتا تھا۔ ابراہیمی دور کے بعد سعید الدولہ کے عہد میں بھی موٹر خانہ کے میکینک ہی رہے۔ اور اپنی ساری عمر ٹونک اسٹیٹ کی سروس میں گذاری۔ اور کافی طویل عمر میں ٹونک ہی میں انتقال کیا۔ اور عیسائیوں کے چھوٹے قبرستان میں دفن کیئے گئے۔ عید کی سواری میں نواب کی موٹر کبھی یہ چلاتے تھے۔ اور کبھی عبدالرشید صاحب۔ غرض بڑے نمک حلال اور وفادار تھے۔

چوتھے عیسائی ڈاڑھی دار۔ ٹونک اسٹیٹ سروس میں گوبرنسل کے ایک ہیڈ ماسٹر تھے۔

جو ابراہیمی دور میں آئے تھے۔ اور اسی دور میں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے جوان العمر بیٹے کو ہیڈ ماسٹر بنایا گیا۔ یہ سعید الدولہ کے پورے عہد میں رہے۔ یہ صحیح معنی میں ہیڈ ماسٹر اس لئے تھے کہ طبیعت بجے رنگیلے تھے۔ مجبور دائمی رہے پھر بھی اردو صاف اور خوب بول سکتے تھے۔ ویسے اپنی فیملی میں انگریزی ہی بولتے تھے۔ ہیڈ ماسٹروں کو رہنے کیلئے وہ کوٹھی دی گئی تھی۔ جو سعادت ہسپتال اور کوٹھی فیروز باغ کے درمیان تھی۔ اور وہیں اسٹیٹ بینڈ کے آلات رکھے جاتے تھے۔ اور بینڈ پارٹی کے دیسی ملازمین کو بینڈ بجانے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔ انہوں نے ضعیف العمری میں انتقال کیا۔ اور ٹونک کے عیسائیوں کے چھوٹے سے قبرستان میں دفنائے گئے۔ عید کی سواری میں بینڈ بھی ساتھ بجتا تھا۔ جس میں بینڈ ماسٹر کی مخصوص وردی اور سیدھے ہاتھ میں ایک راڈ کی حرکت بڑی پر لطف ہوتی تھی۔ یہ بھی بڑے نمک حلال اور وفادار تھے۔ اور ان کے ڈیپارٹمنٹ کے عملہ کا تعلق ٹونک اسٹیٹ کی ملٹری سے تھا۔ پبلک شادیوں میں بھی یہ ملٹری بینڈ کرایہ پر بعد میں لیا جانے لگا تھا۔ اس وقت تک ٹونک عیسائی فرد میں صرف ایک ہیڈ ماسٹر موتی لال تھے۔ جو بچپن میں باہر جانے پر عیسائی بنا لئے گئے تھے۔ یہ ٹونک کے قیام میں انگریزی پڑھانے کی ٹیوشن سے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ یہ انگریزی کے خطاط بھی تھے۔

مولانا سید محمود الحسن صاحب صولت :۔ ٹونک کے اپنے وقت کے کہنہ مشق استاذ الاساتذہ شاعر تھے۔ آپ عربی النسل تھے۔ اور پیدائش ٹونک کی تھی۔ آپ نے علامہ حکیم برکات احمد صاحبؒ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور لڑکپن میں دربار ہائی اسکول ٹونک میں بھی پڑھ چکے تھے۔ علوم شرقیہ یعنی عربی و فارسی کے عالم ہونے کے علاوہ علم عروض کے بھی باریک بیں استاد تھے۔

آپ نے ابراہیمی دور میں شاعری شروع کی تھی۔ حضرت عاشق مرحوم اور حضرت

کیف صاحب مرحوم سے فیض تلمذ حاصل کیا۔ طبیعت ابتدا ہی سے رسا تھی۔ اس لئے نازک خیالات کی آورد جلد ہی شروع ہو گئی۔ اور رنگ تغزل میں ان کی شہرت وہاں پہنچ گئی۔ جہاں عرصہ کے بعد اساتذہ کو پہنچتی ہے۔ پھر نواب سعادت علی خاں کے دور میں بحیثیت استاد بکثرت شاعر شعراء کو اصلاح دیتے رہے۔ حاضر دماغی اور وسعت خیالی کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی وقت دو تین بحروں میں الگ الگ اشعار لکھواتے جاتے اور باتیں بھی سنتے۔ اور کرتے رہتے تھے۔

ان کے فیض کا یہ عالم تھا کہ کئی دیوان دوسروں کو لکھ کر دیدیتے تھے۔ کیوں کہ اس دور میں ٹونک شعراء سے پر تھا۔ اور رئیس کے دین پر رعایا چل پڑی تھی۔ نہ صرف نواب کے یہاں بلکہ امراء کے یہاں بھی آئے دن مشاعرے ہوتے تھے۔ اور محلہ محلہ شعروشاعری اور چہار بیت کا چرچا تھا۔ اس لئے صولت صاحب کی استادی کی ضرورت ہر شاعر کو آئے دن پڑتی تھی۔ اور موصوف بھی ان علمی مجالس کو پوری تن دہی اور انہماک سے نبھاتے تھے۔ تب شاید ہی کوئی مشاعرہ ایسا ہوتا تھا جہاں صولت صاحبؒ صدر مجلس نہ ہوں۔

رات کے اوقات مشاعروں میں اور دن کے اوقات چلتے پھرتے ہر جگہ یہاں تک کہ چائے کے ہوٹلوں پر بھی علمی تذکرے کرتے ملتے تھے۔ آپ میانہ قد منحنی جسم، گہرے گندمی رنگ، کھڑی، چھوٹی آنکھیں کتابی چہرہ اور خشخشی ڈاڑھی کے بڑے نمازی بزرگ تھے۔ پیشانی پر سجدوں کی کثرت سے ایک نمایاں نشان بن گیا تھا۔

غرض آپ نے تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء ہے۔ آپ پان بہت کھاتے اور اس قدر عادی تھے کہ ڈبیہ اور بٹوہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور "برگِ سبز است تحفۂ درویش" سے ہر شخص کو بر وقت ملاقات نوازتے تھے۔

سادہ لباس کی بس انتہا یہ تھی کہ سر پر ململ کی ایک ٹوپی جسم پر ململ کا ایک کرتہ اور شرعی پائجامہ ہوتا تھا۔ اور ہمیشہ سلیم شاہی ٹونک کا بنایا ہوا جوتا پہنتے تھے۔ آپ دوسروں کی دعوت کو جہاں بطیب خاطر قبول تے تھے وہاں اپنے گھر پر بھی اپنا دستر خوان وسیع رکھتے تھے۔ غربت وعسرت کے باوجود اپنے احباب کو دعوت عصرانہ دیتے تھے۔

صاحبزادہ متین اللہ خاں صاحب واثق، صاحبزادہ امداد علی خاں صاحب نظر صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب شامل زاغ صاحب اور صاحبزادہ شفیق الرحمن خاں صاحب مرحوم اس دور کے نامور شعراء تھے۔ اور ہندوستانی شہرت کے شاعر سید عیسیٰ میاں بسمل سعیدی اور اختر شیرانی بھی اسی دور کے شعراء میں ہیں۔

حکیم سید یحییٰ احمد صاحب:۔ ٹونک کی سرزمین کو ایک مردم خیز خطہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور یہاں کی آب وہوا کو راجستھان میں اچھا مانا جاتا ہے۔ اور یہاں کے دینی ومشرقی علوم کی دھوم کا راز یہ تھا کہ نواب وزیر الدولہ نے دلی کی بگڑتی بادشاہت اور اودھ کی ڈھلتی ہوئی نوابی کے حال کو سمجھ کر دور دور سے ہر صنعت کے خاندان کو بلا کر بسایا۔ اور اعزاز بخشا۔ اسی لئے ٹونک ان باوصاف خاندانوں کی نئی نسلوں کا گہوارہ بن گیا۔ تب ہی سے وہاں مفتی، عالم، حافظ، حکیم، نجم، جفار، رمال، عامل، کیمیا گر قاری، شاعر، شہسوار، سپاہگری پٹہ بنوٹ کے ماہر، پہلوان شکاری، تیراک اور تیرانداز بنتے ہی رہتے تھے۔ اور ٹونک سے باہر بسلسلۂ روزگار جا کر نام پاتے تھے۔ اور ان میں جو اپنے وطن میں رہتے تھے، ان میں سے ایک ہستی حکیم سید یحییٰ احمد صاحب کی بھی ہے۔ ویسے تو ٹونک میں ہر محلہ میں ایک حکیم حاذق کا مطب ہوا کرتا تھا۔ مگر حکیم صاحب کے اوصاف کچھ نرالے ہیں۔ اور خصوصیات چند در چند ہیں۔

آپ کی عربی فارسی وحکمت کی تعلیم تو آپ کے والد صاحب یعنی مرحوم سید سعید میاں سے

ہوئی - جو دورِ خلیل کے ایک نامور طبیب، جید عالم، متبحر فارسی داں اور نامی شاعر تھے۔ اور انگریزی تعلیم ٹونک کے اسکول کے علاوہ مشن ہائی اسکول جے پور میں ہوئی۔

غرض آپ کی حکمت کی ابتدا تو دورِ خلیل میں ہو گئی تھی۔ مگر عروج دورِ سعادت میں ہوا۔ اور معراج دورِ فاروقی میں ہوئی۔ اور انحطاط دورِ اسمٰعیلی میں ہو جاتا مگر آپ کی ذہانت فراست، مقبولیت اور مستقل مزاجی سے گردش فلک اور دورِ زمانہ کا زیادہ اثر نہ ہونے پایا۔ غرض آج کے ٹونک کے افقِ طب حکمت میں آپ کو آفتاب راجستھان کہا جائے تو بجا ہے۔

آپ کو دورِ سعادت میں لیجسلیٹو کونسل یعنی مجلس عامہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ عرصہ تک ریاستی دور میں میونسپلٹی کے وائس چیرمین بھی رہے۔ پھر آپ راجستھان کے انڈین میڈیسین بورڈ کے ممبر بنے اور ریاست کے آخری دور میں ٹونک کے حکمت خانہ سرکاری کے انچارج طبیب رہے اور نواب فاروق علی خاں صاحب کے دور میں آپکو افسر الاطبار کا خطاب ملا۔ اور ہر طرح سے سرفراز کیا گیا۔ گو بسمل سعیدی آپکے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں مگر حکیم صاحب کو شاعری یا مشاعروں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔

مولانا مولوی مفتی حافظ قاری صوفی خطیب عامل حکیم محمد علی خاں صاحب مرحوم المعروف بہ مولوی ننھے خاں صاحب۔ آپ بھی اپنے کمال اوصاف کی وجہ سے اپنے وقت کے یا دورِ سعادت کے آفتاب تھے۔ مسلمانوں کی دینی لیڈری کو زبان عام میں مولانا کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے وعظ و نصائح سے مسلمانوں کی دینی رہبری اور اصلاح کرتے رہتے تھے۔ بس مرحوم نے اس فرض کو اپنی طویل عمر میں خوب ہی نبھایا۔ اور اسی لئے اپنے وقت کے بہترین مقرر دینی امام مانے جاتے تھے۔ عربی میں آپکو اتنا کمال حاصل تھا کہ جامع مسجد قافلہ میں جمعہ کی نماز میں خطبہ مختلف موضوع پر اپنا ہی

سوچا ہوا زبانی کہتے تھے۔ اور مطبوعہ خطبوں کو دیگر اماموں کی طرح ایک عالم کی کسرِ شان سمجھتے تھے۔

آپ کو جید عالم سمجھنے میں تو کلام ہی کیا ہے۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ آپ علامہ برکات احمد صاحب رح کے مایۂ ناز شاگردوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور ایسے شاگرد کہ دستار فضیلت بندھوانے کے بعد جب آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا تو فرسٹ ڈویژن میں ٹاپ موسٹ آئے۔ اور پھر ساری عمر ہی درس نظامی کی ملازمی میں گذار دی۔ اور اس کے علاوہ ٹونک کے سینکڑوں طلباء کو پنجاب یونیورسٹی لاہور، یوپی یونیورسٹی الہ آباد کے علوم شرقیہ کے امتحانات دلاکر اپنے طلباء کی زندگی سنوارتے رہے۔

آپ کے پاس فتاوٰی دور دور سے آتے تھے۔ اور آپ ان کا جواب لکھنے کے لئے شہر کے بعض علماء کو دیدیتے تھے۔ اور ان جوابات پر اصلاح دیکر اور انہیں فائنل لکھوا کر بھیجدیتے تھے۔ اور ضعیف العمری میں جامع مسجد قافلہ ٹونک میں جس کے آپ امام بھی تھے محراب سناتے تھے۔ اور تقریباً اسی برس کی عمر تک ایسی محرابیں سنائیں کہ سامع کو کچھ متشابہ بتلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

تصوف میں آپ چشتیہ خاندان کے خلیفہ تھے۔ اور جے پور کے نامی بزرگ حضرت مسکین شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ محمد محمد علی صاحب جن کا مزار سڑک کے قریب ایک پختہ چبوترے میں ہے اور ان کے خلیفہ مولوی روحی صاحب رح تھے ان کا مزار بھی بہیر میں ہے اور اپنے پیر کے قریب ہے۔ غرض آپ حضرت روحی صاحب رح کے خلیفہ تھے۔ اور آپکا مزار بھی بہیر میں اپنے پیر کے ہی پہلو میں خام قبر کی شکل میں ہے۔ محفل قوالی پہلے تو آپ باجہ و سماع کے ساتھ سن لیتے تھے۔ مگر بعد میں سماع کے ساتھ سننا چھوڑ دیا تھا۔ اور اس پر بھی اکثر حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی

آپ نے چوراسی سال کی عمر پائی۔

تاریخ پیدائش، ۲۷ رجمادی الاول سنہ ۱۳۰۴ھ، تاریخ انتقال ۲۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۹ رجنوری سنہ ۱۹۶۹ء ہے۔ آپ نے علم تفسیر، حدیث، فقہ، منطق فلسفہ کی تعلیم تو مولوی برکات احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پائی تھی۔ اور علم حکمت کی تعلیم بھی ان ہی سے لی تھی۔ مگر باقاعدہ مطب نہیں کیا۔ ضرور تمند عقیدتمند مریضوں کو مانگنے پر نسخہ لکھ دیتے تھے۔ اور اپنی ذہانت کے سبب تشخیص و تجویز دونوں میں کمال رکھتے تھے۔ تعویذ لکھنے اور وظائف کے عملیات بتلانے میں بھی آپ کو بڑی مہارت تھی۔ اور عقیدتمند لوگ اس فیض سے بھی مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ صبح کے وقت آپ پابندی کے ساتھ تفسیر و حدیث کا درس مدرسہ ناصریہ میں دیتے تھے۔ یہ مدرسہ نواب وزیرالدولہ کے عہد میں مسجد قافلہ کی شرقی سمت کی دوکانات کے اوپر کے کمروں اور دالانوں میں لگتا تھا۔ اور اب تک بھی ویسا ہی ہے۔ تا زیست آپ اس مدرسہ کے صدر مدرس رہے۔ مگر تعویذ آپ اوقات مدرسہ میں کبھی نہ لکھتے تھے۔

میرے گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہونے پر آپ ہی نے مجھے مدرسہ ناصریہ کا آنریری سیکریٹری بنا دیا تھا۔ قوم کے پٹھان ہونے کے سبب آپ کو غصہ جلد ہی آجاتا تھا۔ مگر طبیعت سے چونکہ حلیم تھے اس لئے جلد اتر بھی جاتا تھا۔ اور صوفی صافی ہونے کی وجہ سے اپنا قلب بھی جلد ہی صاف کر لیتے تھے۔ اور بگاڑ کے بعد صفائی میں اور ملال کے بعد درگذر میں پیش قدمی فرماتے تھے۔

آپ کا گھریلو نام بچپن میں ننّا تھا۔ اس لئے وہ نام ساری عمر ہی بولا جاتا رہا اور کبر سنی میں بھی وہ نام آپ کی معصومیت کے سبب موزوں ہی معلوم ہوتا تھا ظرافت اور بھولا پن آپ کے خمیر میں تھا۔ مجھے مدرسہ ناصریہ کی سیکریٹری شپ میں جو آپ کے ساتھ تقریباً دس برس تک کی، آپ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اس لئے میں

کہہ سکتا ہوں کہ مولوی ننھے صاحب اپنے دور کے نامی اور اپنے اوصاف کے بے مثل انسان تھے۔ آپ کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ باہر کے بڑے بڑے آفر صدر مدرسی کے باہر سے آتے رہتے تھے۔ اور آپ انہیں ٹالتے رہتے تھے۔ اور اپنے وطن کی قلیل معاش پر صبر و قناعت کئے بیٹھے رہے۔ مگر غریبانہ زندگی پر بھی آپ خوش خوراک و خوش لباس متواضع تھے۔ اولاد آپ کے کوئی نہیں ہوئی۔ آخری عمر میں اختلاج قلب کی شکایت ہو گئی۔ اور اسی میں انتقال فرمایا۔

آپ درمیانہ قد سینے دراز ہاتھ پہلوانی وضع کے گول مونڈھے اور سڈول جسم گول چہرہ و گول گنجان ڈاڑھی۔ وگندمی رنگ کے تھے۔

قاضی مفتی محمد ایوب صاحب :۔ آپ عدالت شرع شریف میں محلہ تخت کے دروزہ کے اوپر بلند عمارت تھی، مفتی تھے اور قاضی و مولوی و حکیم محمد عرفان خاں صاحب ناظم عدالت شرع شریف کے رشتہ کے بھائی تھے۔

مولوی ہونے پر بھی طبیعت کے بڑے ظریف اور شاعرانہ سرشت کے انسان تھے۔ ٹونک کے نامی شاعر ذاغ آپ کے شاگرد تھے۔ مگر آپ خود کبھی مشاعروں میں شرکت نہ فرماتے تھے۔ ویسے علمی مجالس کے بھی استاد مانے جاتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کا کلام بہت مزاحیہ ہوتا تھا۔ آپ دراز قد بھرے ہوئے جسم گول چہرہ و گنجان ڈاڑھی و گندمی رنگ کے بزرگ تھے۔

مولوی حافظ و منشی وکیل شیخ بدرالدین صاحب عرف محمد میاں :۔ آپ کے بزرگ شیر کوٹ ضلع بجنور یو۔ پی کے تھے۔ بسلسلۂ ملازمت ٹونک میں آ رہے تھے شیخ صاحب نے دینی تعلیم و حفظ قرآن یاد کرنے کے بعد وکالت کی تعلیم حاصل کی اور پھر وکالت شروع کر دی۔ وکلاء میں آپ کا شمار چوٹی کے وکلاء میں ہوتا تھا۔ اور دور سعادت میں عدالت شریعت کے ناظم مقرر کئے گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد صیغہ جوڈیشل

میں آپ کی خدمات منتقل کر دی گئیں۔ اور سرونج کا مالوہ میں مجسٹریٹ بنا کر بھیجے گئے۔ آخر میں قانون ریاست کے مطابق جب آپ ریٹائرڈ کئے گئے۔ ٹونک ہی میں آکر مقیم ہوئے اور اپنی خانہ نشینی کی زندگی آپنے عبادت کو بڑھا دیا۔ اور اپنے گھر پر بچوں کا فری مکتب لگا کر بہت سوں کو حافظ بنا دیا۔ آپ خود بھی جید حافظ تھے۔ اخبار بینی اور اس پر احباب سے گفتگو کرنے کا بڑا شوق تھا۔ رئیس ٹونک کی صحبت میں رہ کر آپ کو مرغ اور بٹیریں پالنے کا شوق ہو گیا تھا۔ جو ساری عمر ہی رہا۔ اس طرح نوے برس سے کچھ زائد عمر پا کر انتقال فرمایا

آپ بڑے مقرر، منطقی اور صاف گو اور طبیعت سے عوام غریب پسند بزرگ تھے۔ ہر قماش کے لوگ آپ کی صحبت میں دیکھے جاتے تھے۔ اور آپ کا خلوص سب کے ساتھ یکساں تھا۔ آپ کا قد میانہ، جسم سڈول پہلوانی، رنگ گندمی گول چہرہ اور گنجان گول شرعی داڑھی کے بزرگ تھے۔

عبدالرحیم صاحب جرنیل افواج ٹونک :- آپ عبدالرزاق صاحب کرنیل کے (جو افواج ٹونک کے کرنیل تھے) فرزند تھے۔ کرنیل صاحب اپنی ساری عمر ہی نواب ابراہیم علی خاں صاحب کے طویل دور حکومت میں کرنیل رہے۔ اور ان کے انتقال ہو جانے پر عبدالرحیم صاحب کو جو ابھی اسکول میں تعلیم پاتے تھے نو عمری ہی میں کرنیل بنا دیا گیا۔ آپ میں اپنے ولی نعمت کی خیر خواہی اور وفاداری بدرجۂ اتم تھی۔ اور یہ بات اس اقبال مندی اور ذہانت کی وجہ سے تھی۔ جس کا ثبوت آپ نے ساری عمر دیا۔ آپ دور ابراہیمی میں تو نواب کے معتمد ترین افسران میں سے تھے۔ اس لئے حالات کا انتظام و نگرانی بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ مگر دورِ سعادت میں بھی آپ کا ستارہ کمال پر رہا۔ اور کرنیل سے جرنیل بنا دیے گئے۔ آپ شہسواری میں ماہر تھے۔ اور فوج پر کنٹرول آپ نے اس خوبی سے رکھا کہ نواب اور انگریز دالکس پر لیسیڈینٹ دونوں خوش رہے۔ صبح کے وقت قلعہ کے میدان میں جا کر فوج کی پریڈ کو خود کمان کرتے تھے۔ اور اس کے لئے قدرت نے آپ کو تیز اور دور رس

آواز دی تھی۔

صاحبزادان بننے پر جب فوج کے محکمہ کو تخفیف کیا گیا۔ تو آپ کا ریٹائرڈ ہونا بھی لازمی تھا۔ تب ہی سے آپ خانہ نشین ہو گئے۔ تنہا اپنے مع ایک دو ملازمین کے اپنی اسی ایک کوٹھی میں قیام فرمایا۔ جو بڑے کنویں کے پاس لب سڑک ہے۔ اور جس پر آپ کے پوتے کے نام پر قادر بلڈنگ کندہ ہے۔ آپ کے بزرگوں نے اپنے حسن انتظام اور دور بینی سے شہر میں جائیداد غیر منقولہ بصورت دوکانات کافی چھوڑی۔ اور آپ نے اس میں اضافہ ہی کیا۔ اسی لئے آپ کو شہر ٹونک کا سب سے بڑا صاحب جائیداد امیر مانا گیا۔ آپ طبیعت سے سوشل اور ملنسار تھے۔ تنہائی پسند بہت تھے۔ اور اس میں ہی آپ کی کامیاب زندگی کا بڑا راز تھا۔ آپ بڑے مدبر، دور بین، سیاست داں، سنجیدہ اور سادہ مزاج تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا۔ پیشانی نہایت بلند چہرہ بھرا ہوا بارعب اور جسم ورزشی سڈول، اور قد میانہ تھا۔ چہرہ پر ڈاڑھی نہ تھی۔ آخر عمر تک منڈواتے رہے۔ مگر نماز کے پابند تھے۔ اور کار خیر میں خیرات بڑی باقاعدگی اور بجٹ سے ہر ماہ تقسیم کرتے تھے ان کی سب سے بڑی دو خوبیاں تھیں۔ اپنے آقا اور رئیس کی وفاداری اور مردم شناسی ہر اس شخص کی جو آپ کے پیچ میں آتا تھا۔ اس لئے ہر کام کے انجام پر غور کرنا اور پھر اسے کرنا یا نہ کرنا آپ کا بڑا کمال تھا۔ آپ کی قدیم حویلی محلہ شاگرد پیشہ میں ہے۔ جہاں آپ کی تعلیمیافتہ اور ہونہار نسل اب تک بھی آباد ہے۔

آخری عمر میں آپ کی صحت و بینائی خراب ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی طویل عمر پائی۔ اور ۲۲ مئی سنہ ۱۹۶۸ء کو انتقال فرمایا۔ اور قبرستان موتی باغ میں دفنائے گئے۔ آپ کے اکلوتی صاحبزادہ حاجی عبداللطیف خاں صاحب ہیں۔ میو کالج اجمیر کے تعلیمیافتہ ہیں۔ مگر نظامت ٹونک سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد خانہ نشینی اور تقوی کی زندگی گذار رہے ہیں آپ کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ بڑے لڑکے میاں عبدالقادر نے مسلم یونیورسٹی

سے ایم ایس۔ سی (مچھلیوں کی لائن میں) پاس کیا۔ اور اب گورنمنٹ سروس میں ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ میاں عبدالوہاب نے کشمیر یونیورسٹی کے میڈیکل کالج سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹری میں پاس کیا۔ آپ کی بڑی صاحبزادی تاجور سلطانہ نے ہسٹری میں ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی راجستھان یونیورسٹی سے کیا۔ اور چھوٹی صاحبزادی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں ایم ایس سی کلاسوں میں تعلیم پاتی ہیں۔ بنام فرزانہ بی۔

مولوی مفتی عبدالمجید خاں صاحب :- سرونجی آپ سرونج کے نہایت اعلیٰ جاگیردار ان پٹھان و مغلی خاندان کے مایۂ ناز بزرگ تھے۔ آپ کی دینی تعلیم مدرستہ العلوم دیوبند یو۔پی میں ہوئی۔ وہاں سے فراغت کے بعد آپ کو شہر کی عدالت شرع کا مفتی و قاضی بنا دیا گیا۔

نواب سعادت علی خاں نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں آپ کی بھتیجی سے نکاح پڑھلیا اور وہ تب ہی سے سرونج والی بیگم مشہور ہوئیں۔ مگر اولاد ان سے تیرہ برس کے عرصہ میں بھی کوئی نہیں ہوئی۔

مفتی صاحب صورت شکل کے لحاظ سے تو یوسف ثانی سرونج کے تھے۔ اور اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ تھے۔ آپ کے اخلاق و تواضع میں ایک ایسی جاذبیت ہے کہ آپ کی صحبت میں دیر تک بیٹھنے کو دل چاہتا ہے۔ اور ایسی کشش ہے کہ روزانہ سہ پہر کو بیشتر حکامان پرگنہ آپ کے کاشانہ پر جو شہر سے باہر ایک میل فاصلہ پر ہے پہنچتے اور لطف صحبت سے محظوظ ہوتے تھے۔ اور آپ خود بھی ہنس ہنس کر جس موضوع پر بھی گفتگو ہو رائے زنی فرماتے رہتے تھے۔ غیبت سے آپ کو اس درجہ نفرت تھی کہ کسی بھی غائب شخص کی برائی کوئی صاحب شروع کر دیتے تو آپ اخلاقی طریقہ سے منع فرما دیتے۔ اور کہتے میاں چھوڑو بھی۔ اللہ ان کی اصلاح فرمائے۔ سہ پہر کی تواضع میں چائے کی بڑی شوق سے تواضع فرماتے تھے۔ آپ نہایت خوش لباس

خوش شرعی صورت اور صفائی پسند صوفی و صافی درویش صفت عطر میں بسے ہوئے بزرگ ہیں۔ گھوڑے کی بگی کی سواری کا آپ کو شوق ہے۔ ملنساری کے ساتھ ساتھ گوشہ نشینی اور بڑی خود داری آپ میں دیکھی گئی۔ میرے خیال میں آپ سرونج کے مقبول ترین انسان ہیں۔ اس لئے کہ آپ کو مقامی ہندو، مسلمان، بوہرہ، جین سب ہی یکساں پسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کبھی کسی سے دلخراش بات نہیں کرتے۔ اور ہر سائل کی مدد فرماتے ہیں۔ خواہ وہ درم سے ہو یا سفارش سے۔

اب آخری عمر میں آپ کو آشوب چشم کی شکایت ہو گئی ہے۔ اور آنکھ جے پور میں بنوا لینے کے باوجود بینائی بہت کم ہو گئی ہے۔ دور سعادت کے ایام میلاد میں اور آپکے بعد کے دو ر دور میں بھی اکثر ٹونک تشریف لاتے تھے۔ مگر اب نہیں آتے۔ پان آپ نفاست سے خود بنا کر کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ سر پر عمامہ، بیلا جسم پر شیروانی یا انگرکھا اور سرونجی سلیم شاہی جوتے استعمال کرتے ہیں اور ہر دن آپ کی پوشاک ایسی صاف شفاف رہتی ہے جیسی مسلمانوں کی عید کی طرح۔ آپ کا قد میانہ رنگ گورا اور جسم سڈول و حسین ہے۔

مولانا حافظ عبید اللہ صاحب نابینا البصیر تاریخ گو:۔ آپ کی ذات قدرت الٰہی کا ایک کرشمہ تھی۔ لڑکپن میں مچھلی کے شکار میں پاؤں میں کانٹا لگ جانے سے خون خوب بہا۔ اور جب خون کو روکنے کی کوشش کی گئی تو بینائی جاتی رہی۔ مگر بصارت کے ایکدم جاتے رہنے کے باوجود بھی آپ بصیر بن کر ہی رہے۔ دینی تعلیم خصوصاً عربی میں اتنی ترقی کی کہ عربی میں فصیح و بلیغ اشعار کہنے لگے۔ اور یہی حال اردو کی شاعری کا تھا۔ اسی لئے آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں تحصیل علم کے ساتھ آپنے کلام پاک بھی حفظ کر لیا تھا۔ علم ہندسہ، نجوم، رمل، جفر اور ناموں کی تاریخ نکالنے کے علوم سیکھے اور ان میں اسقدر ترقی کی کہ ہندوستان میں آپکا ثانی نہ تھا۔ آپنے تقریباً پچاس برس کی

عمر پائی۔ نہایت متقی و شافعی المذہب تھے۔ اور باوجود حفظ قرآن ہونے کے آپ کبھی بھی محراب سنانے باہر نہیں گئے۔ اور قرآن شریف ہمیشہ محلہ کی مسجد میں سنایا کرتے تھے۔

آپ نے چار فرزند اور کچھ دختر چھوڑیں۔ آپ میانہ قد، گندمی رنگ کتابی چہرہ پر سیتلا کے داغ اور بڑی شرعی داڑھی کے بزرگ تھے۔ ماتھے پر سجدوں کا نشان نمایاں تھا۔ لباس انتہائی سادہ پہنتے تھے۔ یعنی کپڑے کی گول ٹوپی سر پہ، باریک ململ کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا شرعی پائجامہ پہنتے تھے۔ اور ہاتھ میں ایک دراز عصا ضرور رکھتے تھے جس سے اپنے راستہ کی ٹٹول خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ غرض تاریخ گوئی میں بڑا مقام پایا۔

بابو گھمبیر مل جی سوگتیا میر جین:۔ آپ نواب ابراہیم علی خاں کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ مگر آپ کے بڑے فرزند بابو چاند مل جی کو ان کے باپ کے گذر جانے کے بعد نو عمری ہی میں سیکریٹری پرائیویٹ بنا دیا گیا۔ مگر ان کی عمر نے بھی وفا نہ کی نوجوانی ہی میں بمرض نمونیہ انتقال کیا۔

یہ خاندان جیسلمیر سے پہلے کوٹہ آیا۔ اور کوٹہ سے ساہوان زنلام کی ملازمت پر ٹونک آگیا۔ اور اندرون محلہ مالپورہ دروازہ میں بس گیا۔ (مالپورہ دروازہ اب منہدم ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح بابو گھمبیر مل جی نے ٹونک کے ہائی اسکول میں تعلیم پائی۔ آپ اسکولی زندگی میں مرزا محمد علی خاں صاحب دہلوی پرنسپل ہائی اسکول ٹونک کے شاگرد رشید تھے۔ اور پرنسپل صاحب کی سفارش پر انگریزی داں ہونے کے سبب نواب ابراہیم علی خاں کے پرائیوٹ سیکریٹری بنا دیئے گئے۔ تب آپنے اپنی استعداد، دیانت اور امانت اور وفاداری کا برسوں تک ایسا اعلیٰ مظاہرہ کیا کہ نوابان کی نظروں میں یہ خاندان ٹونک کے جینیوں کا نمائندہ سمجھا جانے لگا۔

اور حسن اخلاق و ہمدردی کی وجہ سے ہندو صاحبان بھی انہیں اچھا نمائندہ ہی مانتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے فرزند بابو چاند مل جی کو جنہوں نے ابھی میٹرک پاس کیا تھا نواب کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا۔ تب اپنی ذہانت و متانت سے آپ نے بھی اپنا اثر جلد ہی قائم کر لیا۔ اور اپنی اسٹڈی مزید تعلیم جاری رکھی۔ چنانچہ مسلم یونیورسٹی سے بتدریج ایف۔ اے اور بی۔ اے بھی پاس کر لیا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اس عرصہ میں آپ کے چھوٹے بھائی بابو فتح مل جی محکمۂ فائنینس میں ملازم ہو چکے تھے۔ ترقی دی گئی اسسٹینٹ فائنینس ممبر بنا دیا گیا۔ اور عرصہ تک دور سعادت میں اسی عہدہ پر ممتاز رہے۔ مگر راجستھان ہونے پر آپ کا تبادلہ کوٹہ ٹی۔ او کے عہدہ پر کیا گیا۔ یہ آپ کو پسند نہ تھا۔ اس لئے رٹیائرمینٹ قبل از وقت ہی لے لیا۔ اور اپنے وطن ٹونک میں آکر خانہ نشین تو ہو گئے۔ مگر اپنی جوانی الحری کے لئے کوئی مفید شغل جو مفید عام بھی ہو سوچتے رہے آخر ٹیگور انگلش پرائمری اسکول کاشانہ کی عمارت میں کھولا۔ یہ کیوں کہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے مفید اور موزوں تھا۔ اس لئے چل پڑا۔ اور ترقی اتنی کی کہ اب جنی لال کے باغ کی عمارت میں نہایت کامیاب مڈل اسکول کے نام سے سرکاری ایڈ پر چل رہا ہے۔ جس کے سکریٹری بابو فتح مل جی ہیں۔

رائے صاحب مدن گوپال جی شریواستو۔ اسسٹینٹ ممبر مال:۔ ٹونک میں بندوبست مال کا کام پہلی مرتبہ ہونے پر یوپی کے کائستوں کے چند خاندان ٹونک ہی میں اس سلسلہ میں آئے اور پھر یہیں بس گئے۔

چنانچہ رائے صاحب ان ہی معزز خاندانوں کے سب سے ترقی یافتہ ایک فرد ہیں آپ کی پیدائش تعلیم و تربیت ٹونک ہی میں ہوئی اور میٹرک پاس کرتے ہی محکمۂ مال میں اہلکار بنائے گئے۔ اور پھر اپنی ذہانت و قابلیت سے ترقی کرتے ہوئے اسسٹینٹ ممبر مال بنے۔ اور اس عہدہ پر اپنے رٹیائرمینٹ تک رہے۔ آپ کا آبائی مکان اندرون

بھور دروازہ محلہ لوہاران و دلیس والیان میں ہے۔ اور آپ کی لائق اولاد اس میں ابتک، بھی رہ رہی ہے اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کئے ہوئے ہے۔

رائے صاحب ٹھیٹ ٹونکی ذہنیت اور کلچر کے تعلیم یافتہ تھے۔ آپ کے مکان پر علاوہ اوقات دفتر کے، احباب کا میلہ جما رہتا تھا جس میں زیادہ تر اہل محلہ ہوتے تھے اور شطرنج کی بساط ان کے درمیان جمی رہتی تھی۔ بول چال میں بھی رائے صاحب بحالت ناراضگی ٹونک شاہی گالیاں دے ڈالتے تھے۔ اور حقہ پینے کی اور پان کھانے کی حالت میں ریاستی احوال پر بلا تامل گفتگو کرتے تھے۔ ریاست کی ملازمت میں بزمانہ میجر دیب صاحب سرکار برطانیہ کی طرف سے آپ کو رائے صاحب کا خطاب عطا فرمایا گیا تھا۔ ان کے اخلاق و ہمدردی سب کے لئے تمام و یکساں تھی۔ اس لئے ریاست میں اور اپنے محلہ میں نہایت مقبول تھے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی خدمات اجمیر کی چیف کمشنری کے ماتحت وزیرانتظام جو چند بڑی جاگیریں کورٹ آف وارڈس کی تھیں ان میں سے ایک میں علاقہ سلومبر ضلع اودے پور میواڑ میں ایڈمنسٹریٹر یعنی ناظم ہو کر چلے گئے تھے۔ اور آخری عمر میں اپنے وطن ٹونک ہی آکر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ اور دمہ کے عارضہ میں وفات پائی۔ اس لئے کہ بزمانہ سروس اودے پور شراب نوشی کی کثرت سے ان کے پھیپھڑے خراب ہونے لگے تھے ویسے جسمانی لحاظ سے دراز قامت، قوی، سرخ سفید رنگ چوڑہ چہرہ بلند پیشانی اور بلند آواز کے آدمی تھے۔ پان کی کثرت نے ان کے دانتوں کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔ اور ضعیفی میں ہونٹوں سے باہر نمایاں ہو گئے تھے۔ آپ ویسے نہایت خوش اخلاق، متواضع اور خندہ پیشانی کے آدمی تھے انگریزی تحریر میں بھی اردو، ہندی جیسا ہی ملکہ تھا۔ اس لئے اودے پور کے بڑے اہلکار ریاست میں مانے ہوئے تھے۔ لباس میں زیادہ تر شیروانی مخملی ٹوپی اور چوڑی دار پائجامہ پہنتے تھے کوٹ پتلون کبھی نہیں پہنا۔ گھر پر دھوتی ہی استعمال کرتے تھے۔ اور اپنے اہل محلہ کی

ڈھالتے تھے۔ اور مسلمان احباب سے انہیں بڑا خلوص تھا۔ ویسے بولی بھی ان کی اُردوئے معلّیٰ جیسی دہلی طرز کی تھی۔ دورِ سعادت میں بھی آپ کا شمار بڑے کائستوں میں ہوتا تھا۔ آپکے چھوٹے بھائی رام لال جی بھی محکمۂ مال میں عہدہ دار تھے۔ اور آخر میں نائب ناظم نیماہیڑہ (میواڑ) پرگنہ ٹونک کے تھے۔

عبدالقادر خاں صاحب منشی فاضل سپرنٹینڈنٹ پولس ٹونک:۔ آپ خاں صاحب آصف خاں کے پوتے تھے۔ اور علامہ خاں صاحب محمد یوسف خاں کے فرزند اکبر تھے۔ اور ٹونک کہنہ میں میاں کے چوک کے نامی پٹھانوں میں آپکا ننھیال تھا۔ ٹونک اسٹیٹ کی سروس میں پہلے تھانیدار بنے۔ اور اپنی قابلیت و حسن انتظام سے سپرنٹینڈنٹ بنائے گئے۔ ویسے ٹونک کے نامی سپرنٹینڈنٹوں میں آپکے علاوہ خان صاحب احمد سعید خاں صاحب، ان کے بھائی خان صاحب علی حسین خاں صاحب، خان صاحب ولی اللہ خاں صاحب، سید رحمت شاہ صاحب، سید اصغر شاہ صاحب اور سید احمد علی صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ تو دورِ خلیل کے اہل سیف ہیں اور کچھ دورِ سعادت کے۔ مگر عبدالقادر خاں صاحب دونوں دور کے ایک اہل قلم تعلیم یافتہ اور اہل سیف سپرنٹینڈنٹ تھے۔ ان کے سوتیلے بھائی مولانا عبیداللہ خاں صاحب عرف مولانا میاں پولس کی سروس کے ایک لائق و کامیاب افسر ثابت ہوئے۔

اور راجستھان ہو جانے پر مولانا میاں نے مزید ترقی کی اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس بنائے گئے۔ غرض خانصاحب عبدالقادر خاں صاحب دورِ سعادت میں ریٹائر ہو جانے پر اپنے سسرالی گھر یعنی حویلی مختارالدولہ جرنیل محمود خاں صاحب میں مقیم ہو گئے۔ اور کافی عرصہ تک حیات رہکر ہاتھ فریکچر کی تکلیف سے شفاخانہ ٹونک ہی میں انتقال کیا۔ اور قبرستان بیرون دروازہ مالپورہ میں دفنائے گئے۔ آپ کے نصف درجن سے زائد لڑکے تھے جو بڑھ کر سب قابل بنے۔ اور ایک ایک کر کے پاکستان میں ہجرت کر گئے۔ اب اس

نامی خاندان کی یادگار صرف مولانا میاں ہیں۔

صاحبزادہ یسین علی خاں صاحب ناظم سرونج:۔ آپ اپنی مثال آپ ہی تھے۔ آپ نے عدالت اپیل اہلمدی سے (کلرکی) سے اپنا سروس کیریر شروع کیا تھا۔ پھر ریاست کے امتحان وکالت میں شریک ہو کر اعزازی نمبروں سے پاس ہوئے۔ اس کے بعد وکالت شروع کر دی، وکالت میں چمکنے پر حکام نے آپ کو ایک ہونہار اور سمجھدار نوجوان سمجھ کر پہلے ناظم علیگڈھ (رامپورہ) بنایا۔ اور وہاں سے اپنے حسنِ انتظام میں ناموری پائی اور ریاست کی آمدنی کو بڑھایا۔ تب مسٹر او جیرس۔ وائس پریسیڈنٹ نے رئیس وقت کی رضا لیکر آپ کو ناظم سرونج مالوہ بنا دیا۔ وہاں آپ کئی برس تک جمے رہے۔ اور بڑے مقبول و کامیاب رہے۔ پھر راجستھان ہو جانے پر ڈپٹی کلکٹر بن کر نیماہیڑہ آئے۔ اور کچھ عرصہ بعد اس عہدۂ مآل سے ترقی کر کے ڈپٹی ڈائریکٹر فائننس بنائے گئے۔ اور اسی عہدہ سے جے پور میں ریٹائر ہوئے۔

اس کے بعد ٹونک آکر اپنے آبائی مکان حویلی قلعدار صاحب میں مقیم ہوئے اور آپ نے حویلی کے احاطہ میں لکڑیوں کی ایک ٹال اور کوئلہ کا ڈپو، ملازم رکھ کر کھول دیا۔ تاکہ دماغ کو شغل ملتا رہے۔ اور بے کاری کے تساہل سے بچیں۔

مگر کچھ عرصہ بعد ہی آپ پر ہارٹ کا دورہ پڑا اور شفاخانہ میں عین عید الفطر کے دن انتقال کیا۔

آپ نہایت خوش مزاج، منتظم، حلیم و ذہین و ذکی مدبرانہ سیاست کے آدمی تھے۔ جہاں بھی حاکم رہے نہایت کامیاب و مقبول رہے۔ آپ اردو کے اچھے شاعر تھے۔ مشاعروں میں اپنی نظمیں تحت اللفظ میں خود پڑھتے تھے۔ اور نشاط تخلص کرتے تھے۔ آپ کو قبرستان موتی باغ میں دفنایا گیا۔ آپ درمیانی قد اور بھرے ہوئے جسم، بلند پیشانی اور سفید رو انسان تھے۔ چال ڈھال میں آپکے پھرتی نہ تھی مگر

سنجلی ہوئی اور متانت مآب تھی۔ چہرہ پر تبسم ہر وقت رہتا تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور ذہانت مآب تھیں۔ پان کھاتے تھے اور سگریٹ بھی پیتے تھے۔ اور ڈاڑھی بھی منڈھواتے تھے۔ مگر جمعہ کی نماز مسجد میں آکر پابندی سے ادا کرتے تھے۔

آپ کے بڑے صاحبزادہ یامین علی خاں صاحب نے میڈیکل کالج جے پور سے ایم۔بی۔بی۔ایس پاس کیا۔ اور آنکھ کے علاج میں اسپیشلائیز کیا۔ اور تعلیم سے فراغت پاکر مان سنگھ ہسپتال کے آنکھ وارڈ میں انچارج ڈاکٹر بنا دئے گئے۔ جہاں آپ کی سروس نیکنام رہی۔ اور شہرت خوب ہوئی۔ پھر آپ نے سعودی عرب کی حکومت کی مانگ پر عرب چلے جانا طے کیا۔ اور کافی عرصہ تک وہیں ملازمت کرنے کے بعد خود اپنا کلینک مکہ میں کھول لیا۔ اور وہیں خانہ آباد ہو گئے۔ آپ سے دو چھوٹے بھائی اور بھی ہیں جو ابھی زیر تعلیم ہیں۔

ممتاز الدولہ وزیر الملک نواب محمد فاروق علی خانصاحب بہادر صولت جنگ

۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک

قانون ریاست کے مطابق اور رعایائے ٹونک کی متفقہ آواز پر نواب مرحوم کے برادر (آپ ہاجرہ بیگم سے تھے) صاحبزادہ محمد فاروق علی خاں صاحب کو سرکار برطانیہ ہند نے ۳۱ر مئی ۱۹۴۷ء کو جائز وارث تسلیم کرتے ہوئے تخت نشین کیا۔ آپ کی ولادت ۱۸ر اگست ۱۸۸۵ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے باسٹھ سال کی عمر میں گدی نشین ہوئے۔

ممتاز الدولہ کی صورت:۔ آپ کی صورت سیرت کی ترجمان تھی یعنی آپ کو حسن سیرت و صورت دونوں عطا کئے گئے تھے۔ آپ کا قد تو میانہ سے کچھ کم تھا۔ مگر خد و خال اور رنگ سرخ و سفید تھا۔ غرض رؤسائے ٹونک میں آپ سب سے حسین تھے۔ آپ کی ابتدائی پرورش مچلی بھون نذر باغ میں ہوئی۔ اور قلعہ کے سرکاری محلات میں تربیت پائی۔ قرآن شریف آپ نے حافظ علی محمد صاحب سے اور حافظ نور محمد صاحب سے پڑھا اور اردو فارسی کی تعلیم مولوی جان محمد صاحب سے پائی۔

آنریری مجسٹریٹی دہلی:۔ اردو تعلیم سے فراغت پاکر ۱۹۰۴ء میں قانونی معلومات حاصل کرنے کے لئے اور دفتری کام سیکھنے کے لئے آپ کو دہلی بھیجا گیا۔ وہاں آپ کیلئے

مجسٹریٹی کا عہدہ تجویز ہوا۔ مگر ملازمت کرنے کو آپ کے والد نواب نے پسند نہیں کیا۔ اس لئے آپ کو دہلی میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ اور اپنے اس عہدہ کے فرائض کو سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک بڑی دانائی اور شہرت سے انجام دیا۔

تصوف کا رنگ :- ابتدائی جوانی میں آپنے قادریہ سلسلہ کے مشہور بزرگ مولانا غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور مولانا گل حسن شاہ صاحب سے جو تذکرہ غوثیہ کے بھی مؤلف ہیں بیعت کی۔

مولانا گل حسن صاحب آپ کے والد نواب ابراہیم علی خاں کے بھی پیر تھے۔ دوران قیام دہلی میں آپ متواتر ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ اور صوفیانہ ریاضتیں بھی کرنے لگے تھے۔

دہلی سے واپسی اور قیام ٹونک :- دہلی سے ٹونک آجانے کے بعد آپ کی طبیعت دنیا سے سرد ہونے لگی تھی۔ تب عزلت اختیار کر کے اپنے شیخ کی ہدایت پر عمل کیا اور قناعت کو اپنا مشرب بنایا۔ اور اپنی صحبت میں شرفاء، علماء، صوفیاء کو رکھا۔ اور کبھی کبھی ریاست کے انگریز حکام سے بھی ملتے تھے۔ چنانچہ سرسل کے میجر کرنیل بارنیٹ کرنل اینڈرسن اور ڈی سا ای او جیرس پریسیڈنیٹ سے آپ کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔

دربار مسند نشینی :- ۲۳ مئی سنہ ۱۹۳۰ء کو نواب سعادت علی خاں صاحب کا انتقال ہوا۔ تب گورنمنٹ برطانیہ نے ریاست ٹونک کے معاہدات کی رو سے صاحبزادہ محمد فاروق علی خانصاحب کو مسند حکومت کا حقدار قرار دیا۔

چنانچہ بمنظوری ویسرائے بہادر پولیٹیکل ایجنٹ جے پور نے ۳۱ مئی سنہ ۱۹۳۰ء کو ٹونک میں جلسہ کر کے اس امر کا اعلان کیا۔ اور ۴ جولائی کو دربار مسند نشینی عیدگاہ باغ کی کوٹھی میں منعقد کیا گیا۔ اور کرنیل آر آر بارنیٹ صاحب ریزیڈنیٹ راجپوتانہ نے دوران تقریر

میں کہا کہ "میں یہ اعلان کرنے آیا ہوں کہ ہز ایکسی لینسی کراؤن ری پری زین نے ٹیو نے اعلیٰ حضرت ملک معظم کی جانب سے سند ٹونک ریاست پر صاحبزادہ محمد فاروق علی خاں صاحب کی گدی نشینی کو منظور فرمالیا ہے۔ اس لئے اس مبارک موقع پر میرا شریک ہونا بلحاظ میرے ذاتی تعلقات کے جو اس ریاست میں بزمانۂ وائس پریسیڈنیٹ رہ چکے ہیں۔ میرے لئے مسرت انگیز ہے۔"

نواب نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا کہ میں ترقی ریاست کے معاملہ میں اپنے والد بزرگوار اور برادر مرحوم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرونگا۔ اور میری انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ میرے زمانہ میں ریاست رعایا اور خاندان امیریہ ہر طرح سے ترقی کرے۔ اور انہیں مالی، تمدنی اور تعلیمی ترقی و بہبود حاصل ہو۔ دوران تقریر میں ممدوح نے یہ فرمایا کہ میں جلد تر اپنی کونسل میں دو نئے وزیروں کو شریک کرونگا۔ جو مقامی پبلک سے ہوں گے۔ اور میری رعایا کے حقیقی نمائندے ہوں گے۔ جن کو میری رعایا کی مقبولیت حاصل ہوگی۔

اس دور کی کونسل عالیہ :۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے آخر میں جب ریاست ٹونک کو ٹونک گورنمنٹ اور اس کے ممبران کو وزراء کا درجہ دیا گیا۔ تو وائس پریسیڈنیٹ کے عہدہ کو پرائم منسٹر کے نام سے تبدیل کیا گیا۔ چنانچہ رحمٰن بخش صاحب قادری ایم اے ایل۔ بی (ایم۔ بی۔ ای) پرائم منسٹر کو مشیر جنگ بہادر کا خطاب دیا گیا۔ خاں صاحب مظفر محمد خاں (خو خو) منسٹر مال اور صاحبزادہ محمد توفیق خاں صاحب ہوم ممبر بدستور بنے رہے۔

آزادی ہند اور انتقال آبادی کے سلسلہ میں پناہ گزینوں کی آمد

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کے زبردست انقلاب کے مطابق ہندوستان پاکستان کی تقسیم کے سلسلہ میں ریاست ٹونک کی گروپنگ کا نازک مسئلہ اسی دور میں حل کیا گیا۔

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ اور دونوں ڈومینینس کے مقتدر اشخاص اور واقف حال رئیسوں سے تبادلۂ خیال کرکے نواب صاحب نے ہندوستانی ڈومینین میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا اور رئیس وقت کے اس دانشمندانہ فیصلہ سے ٹونک اور اس کے پرگنات نہ صرف اس کے باشندوں کے لئے جائے پناہ بنے رہے بلکہ الور بھرتپور اور اجمیر کے پریشان مسلمان بھی جوق جوق پناہ لینے آنے لگے۔ اور رئیس وقت کی فیاضی و ہمدردی سے مستفید ہوکر نہ صرف ٹونک میں اقامت پذیر ہوئے بلکہ انہیں روزگار کے سامان بھی مہیا کر دئے گئے بہت سوں کو جنگل صاف کراکے کاشتکاری پر لگا دیا گیا۔ اور فاروق نگر کے نام سے ایک گاؤں بسایا گیا۔ اور ساڑھے چھ ہزار کے فنڈ سے ان کی خورد و نوش اور سردی کی حفاظت کا سامان مہیا کیا گیا۔

دہلی سے محصورین ٹونک کو واپس حفاظت سے لانا

جس زمانہ میں کہ دہلی میں بدنظمی ہو رہی تھی تو جن باشندگان ٹونک مقیم دہلی نے پناہ گزینان کے کیمپ میں جگہ پائی تھی۔ اور اپنی مصیبت کے ایام کیمپ میں گذار رہے تھے ان کے اعزہ کی فریاد پر، رحمدل رئیس ٹونک نے ریاست کے صرفہ سے انہیں بذریعہ اسپیشل ٹرین* اسٹیشن پر آنے والا تھا۔ انہیں لینے کے لئے نصف شب ہی سے، سخت سردی کے باوجود، نواب خود اسٹیشن پر جا پہنچے۔ اور بقیہ رات اسٹیشن پر ہی گذاردی پھر صبح کو خیر مقدم کیا۔ ان کی داستانِ غم سنی۔ اور ہر ایک کو تسلی دیکر اپنے ہمراہ ٹونک اسی دن ٹونک کے بہت سے گھروں میں جہاں ماتم ہوا کرتا تھا۔ عید سے زائد خوشی منائی جانے لگی۔ خلق خدا کی اس زبردست خدمت کا سہرا اس صوفی منش رئیس کے کارناموں میں قیامت تک۔۔ آب زر سے لکھا جائیگا۔ اور عقبیٰ میں اس صلہ رحمی کی بدولت کثیر ثواب نصیب ہوگا۔

انتظامات ملکی:۔ تخت نشین ہونے کے بعد ہی اپنے ذاتی ذوق کو فروغ دیا یعنی سنیما گھر کو ترقی دی۔ اور ناٹک گھر کو قطعی بند کر دیا۔ اس بات سے سوائے ایکٹروں کے سب خوش ہوئے۔ شکار سے بھی موصوف کو مطلق دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے شکارگاہوں کی رکھتوں کو توڑ کر انہیں مزروعہ زمین بنانے کی تدابیر سوچی گئیں۔ اور دستوری اصلاحات میں چودہ ممبران کی ایک مشاورتی کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں غیر سرکاری افراد کی اکثریت رکھی گئی اس کا مقصد ریاست کے دستور پر مشورہ دینے اور ریاست کی گذشتہ اور موجودہ حالت سے پبلک میں سیاسی بیداری پیدا کرنا تھی۔ مثلاً تعلیم ہندی اور انگریزی پانے (اردو فارسی تو پہلے ہی سے کافی تھی) حفظان صحت کے اصول سمجھنے اور ان پر عمل کرنے اور معاش کے بہتر ذرائع پیدا کرنے کے علاوہ، رعایا کو حکومت کے قریب لانا تھا۔ تاکہ رعایا کی واجبی مانگ پر حکومت اثر لے۔

رعیت کی شبانہ خبر گیری:۔ زمانہ سلف کے فرض شناس سلاطین کی طرح ممتاز الدولہ بھی اپنے دارالحکومت ٹونک میں رات کے وقت خفیہ گشت لگایا کرتے تھے کبھی نصف شب سے پہلے کبھی نصف شب کے بعد۔ تاکہ انسداد جرائم کے متعلق پولس انتظامات، مخلوق کے حالات اور فرقہ وارانہ معاملات کا عینی مشاہدہ کر لینے کے بعد پھر انتظام کیا جا سکے۔

آخری سفر دہلی:۔ وڈ سارکی میٹنگ میں شریک ہونے کے لئے بمعیت خان بہادر رحمن بخش صاحب قادری شیر جنگ اور چیف منسٹر ۶ر جنوری کو دہلی تشریف لے گئے۔ لیکن اسٹیشن دہلی پر پہنچتے ہی طبیعت خراب ہوئی اور میڈن ہوٹل پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی ۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شب کو قلب کی حرکت بند ہو جانے سے ممدوح کی روح قفس عنصری سے اچانک پرواز کر گئی۔

اس سانحہ عظیم کے وقت چیف منسٹر صاحب نے اپنی اعلیٰ دماغی اور اوسان سے

کام لیکر دارالحکومت ہند کے دفتر میں خبر کئے بغیر اسی وقت برق صفت مراجعت کو ضروری سمجھا۔ اور دوسری شب نعش ٹونک پہنچا دی گئی۔ جہاں علی الصبح اعزاز اور بکثرت مخلوق کی شمولیت سے قبرستان موتی باغ میں دفنا دیے گئے۔

انتخاب رئیس :۔ اس وقت نوابی کے دعویدار کھڑے ہوئے۔ کیونکہ نواب مرحوم فاروق علی خاں صاحب مرحوم کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اور قانون ریاست کی رو سے صاحبزادی کی گدی نشینی نہیں کی جا سکتی تھی۔

غرض گدی کے دو حقدار صاحبزادہ اسمٰعیل علی خاں صاحب تھے۔ جو نواب مرحوم کے سوتیلے بھائی تھے۔ اور ولیعہد ریاست صاحبزادہ عبدالحفیظ خاں صاحب مرحوم کے بڑے فرزند صاحبزادہ معین الدین خاں صاحب تھے جو دوسرے دعویدار ہوئے۔ مگر چونکہ ان کے والد صاحب کا انتقال ان کے دادا نواب ابراہیم علی خاں صاحب کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اسلامی قانون سے انہیں ناحق تصور کیا گیا۔ اور نواب فاروق علی خاں صاحب کو علی الصبح دفنانے سے قبل ہی شب کے وقت برضامندی اہل خاندان امیر یہ اور قانون ریاست کے مطابق صاحبزادہ محمد اسمٰعیل خاں صاحب کو انڈین یونین نے جائز وارث تسلیم کر لیا۔ اور عزیز الدولہ کے خطاب سے تخت نشین کیا۔

عزیز الدولہ وزیر الملک

نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ

تخت نشینی ۔ فروری ۱۹۴۸ء

پیدائش و تعلیم :- آپ کی پیدائش سرکاری محل نذر باغ میں ہوئی (بزمانۂ حیات امین الدولہ بہادر) اواخر عمر میں امین الدولہ بہادر کو اپنی تمام اولاد میں آپ سے زیادہ محبت تھی ۔ اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت میں ابتداء ہی سے اعلیٰ انتظامات کئے گئے ۔

قرآن شریف اور اردو کی تعلیم تو صغر سنی ہی میں محلات میں ہوئی ۔ مولوی عبداللہ خاں صاحب اور دیگر حفاظ کی زیر نگرانی آپ کی ابتدائی دینی تعلیم ہوتی رہی مگر انگریزی کی تعلیم ، اس کی بول چال اور مغربی طرز معاشرت سکھانے کے لئے ایک انگریز مسٹر میڈ کو گارڈین مقرر کیا گیا ۔ اور اردو فارسی انگریزی و حساب سکھانے کے لئے مسٹر سید حامد حسین صاحب بی ۔ اے ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ سکنڈ ماسٹر دربار ہائی اسکول ٹونک کی سرکاری ملازمت ان کی ٹیوٹری پر منتقل کر دی گئی ۔ خانگی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے پر آپ کو میو کالج اجمیر میں داخل کیا گیا ۔ اور قیام کالون ہاؤس کی بہترین کوٹھی میں ہوا ۔ وہاں آپ نے ڈپلوما تک تعلیم حاصل کی ۔

پھر کالج کی تعلیم سے فراغت پاکر محکمۂ مال و جوڈیشل کی ٹریننگ کے لئے پہلے تو اجمیر کی کمشنری میں کام سیکھا پھر ہوشنگ آباد (دکھن) کے سرکاری دفتر میں ٹریننگ ہوئی اور اس سے فارغ ہو کر ٹونک ہی میں مقیم ہو گئے۔

زمانہ کا انقلاب ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ریاستوں کو حکومت ہند میں ملحق کرنیکا مسئلہ زیر غور تھا۔ اور بد قسمتی سے ریاست ٹونک گذشتہ چند سال سے بد انتظامی کے دور سے گذر رہی تھی۔ اور اس کے حالات مرکزی حکومت کے نوٹس میں آچکے تھے لہٰذا اصلاحی مداخلت دینا ضروری اور لازمی تھا۔

چنانچہ کانگریس گورنمنٹ نے یوپی پراونشل سروس کے ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کو جو اس وقت ریاست کوٹہ کے پرائم منسٹر تھے۔ ایڈمنسٹریٹر یعنی منتظم کل بنا کر فروری ۱۹۴۸ء میں ٹونک بھیجا۔ آپ کا نام رائے بہادر ڈاکٹر رام بابو سکسینہ تھا۔ آپ ایم اے ایل۔ ایل۔ بی ہونے کے علاوہ اردو زبان کے ڈاکٹر اور مشہور عالم بھی تھے۔ اور آپنے ایک مستند کتاب "تاریخ ادب اردو" بھی لکھی ہے۔

آپ نے ریاست کے اندرونی حالات کا جائزہ لیکر ان سے حکومت ہند کو مطلع کیا۔ اور کچھ عرصہ تک ریاست کی مشنری کو چلایا۔

سب سے پہلے فائینس منسٹر کو جو چیف منسٹر بھی تھے یعنی رحمٰن بخش قادری صاحب کو ان کی سابقہ سروس گورنمنٹ یوپی کو واپس کیا۔ اور بقیہ دو منسٹر سے کونسل کو چلایا۔ اسی دوران ڈائریکٹر آف ایجوکیشن ٹونک کے عہدہ کو تخفیف کیا گیا اور محکمۂ تعلیمات کا الحاق کیوں کہ ڈائریکٹری تعلیمات نادر مرد جہاں سے ہونے والا تھا۔ اس لئے ۲۹ر اپریل ۱۹۴۹ء کی کونسل میں جس میں نواب صاحب بنفس نفیس تشریف فرما تھے ہوم منسٹر صاحبزادہ محمد توفیق خاں صاحب منسٹر انچارج تعلیمات کی تجویز پر میرا تبادلہ نیما ہیڑہ کیا گیا۔ اور ہیڈ ماسٹر نیما ہیڑہ کو جو بعد میں پاکستان

چلے گئے۔ ہیڈ ماسٹری ٹونک میں بلا لیا گیا۔ غرض اس کونسل میں جو ریاست ٹونک کی آخری کونسل تھی اور بھی چند اہم معاملات طے کئے گئے۔

حکومت فارم راجستھان کا قیام اور ریاستوں کا الحاق

یکم مئی ۱۹۴۸ء سے گیارہ ریاستوں کے شامل ہو جانے پر راجستھان یونین وجود میں آیا۔ منجملہ ان گیارہ ریاستوں کے ایک ریاست ٹونک بھی تھی۔

چنانچہ ٹونک کو ایک ضلع کی حیثیت دی گئی۔ جس میں علیگڑھ نیبوا اور راندر گڈھ کی تحصیلیں شامل کی گئیں۔ اس طرح ایڈمنسٹریٹر کا عارضی دور بھی ختم ہوا۔ اور دو ممبران کونسل نے اپنی کونسل اور ریاست کی حکومت کو خدا حافظ کہا۔ اور رئیس وقت نے تیس ہزار کا ماہانہ وظیفہ قبول کر کے ریاست کے انتظامی امور سے دست برداری حاصل کی۔

اس طرح ایک سو اکتیس برس کی لقا اور سنہری زندگی کے بعد سیلاب زمانہ کے ساتھ یہ انگریزی دور کی ریاست، ملکی اور وطنی یکجہتی اور آزادی کے پیش نظر، جمہوریت کے نظام میں مدغم ہو گئی۔ اور رئیس ٹونک کی حکومت صرف اپنے قصر تقدیلغ کی چہار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔ مگر اس پر بھی نواب شیروں کے شکار اور شطرنج دکر کرکٹ و ٹینس کھیلنے میں دلچسپی لیتے رہے۔ اور علمی شغل صرف شاعری اور مشاعرے رہ گئے۔

تعمیر فارم راجستھان کے چند برس بعد راجستھان کی بڑی ریاستوں کے اس میں شامل ہو جانے پر بڑے راجستھان کی جمہوری حکومت زیر تعلق حکومت ہند دہلی وجود میں آگئی۔ اور جے پور و جودھپور و بیکانیر جیسی بڑی ریاستوں کے شامل ہو جانے پر راجستھان اسٹیٹ مکمل سمجھی گئی۔ اور ان کی راجدھانی

شہر جے پور کو (اسکی زیبائش، وسعت اور پانی کی سہولت، دہلی سے قریب اور ایک تعلیم یافتہ و بیدار مغز رئیس جے پور کی شخصیت واہمیت سے) رکھا گیا۔ اور مہاراجہ صاحب اودے پور کے انتقال پر اور فارمر راجستھان سے بڑا راجستھان بننے پر مہاراجہ صاحب جے پور کو راج پرمکھ کے عہدہ پر ممتاز سرفراز کیا گیا۔ اور ۱۹۵۷ء میں آبو کا علاقہ جو پہلے احاطہ بمبئی میں تھا، راجستھان میں شامل کیا گیا۔ اور سرونج (مالوہ) کا علاقہ مدھیہ پردیش کی حکومت کو قرار دیا گیا۔

غرض تقریباً چھبیس برس تک ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار کر اور کچھ عرصہ سے آنتوں کے کینسر میں مبتلا رہ کر نواب محمد اسمٰعیل علی خاں ۲۱ نومبر ۱۹۷۴ء کو بروز جمعرات بوقت ایک بجے شب انتقال فرما گئے۔ اور تدفین قبل نماز جمعہ ان کے آبائی قبرستان موتی باغ میں کی گئی۔ موصوف کے کوئی بھی اولاد نہ ہوئی۔ اس لئے ذاتی ترکہ کے وارث ان کی والدہ صاحبہ مرجینہ بیگم اور تین سگی بہنیں ہوئیں۔ اور ان کی زوجہ محترمہ سرونج والی بیگم ہوئیں۔ اور ریاست و رئیس کا خاتمہ پہلے ہی ہو جانے سے ان کے دو سوتیلے بھائیوں میں سے رئیس چنے جانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ ویسے رئیس بنائے جانے کے لائق انکے سوتیلے چھوٹے بھائی صاحبزادہ معصوم علی خان صاحب بلحاظ قومیت، وجاہت، تعلیم انگریزی (ڈپلوما یافتہ میو کالج اجمیر) حسن صورت و سیرت اور صوفیانہ مزاج و خلوت نشینی کی سادہ و مذہبی زندگی کے اور پسندیدگی اہل خاندان و پبلک کے تھے۔ لیکن آپ کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہوا کہ جملہ اہل خاندان امیریہ اور پوری رعایائے ٹونک نے آپ کو نوابی کا جانشین تسلیم کیا۔

عزیز الدولہ کے مشاہیر میں ایک نامی شخصیت

ریاست کے اختتام کے ساتھ ٹونک میں باوجود ہر مشاہیر ایک ایک کرکے اپنے بہشت نظیر وطن کو یا تو خیرباد کہہ کر باہر چلے گئے۔ یا اس سرائے فانی کو چھوڑ گئے اور معدودے چند جو بقید حیات ہیں وہ خانہ نشین سے ہو گئے ہیں۔ اور اب ویسے مشاہیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتے۔ مگر خدا کی خدائی جس طرح ایک صاحب خدمت کی جگہ خالی ہوتے پر دوسرا کم و بیش حیثیت کا وہاں متعین کر دیا جاتا ہے اس طرح قدرت کی کارسازی سے مشاہیر کی مسند کبھی خالی نہیں رہتی ہے۔

اس لئے سنہ ۱۹۱۶ء میں یعنی عہد ابراہیمی کے عین شباب میں اچھی قسم کا ایک مقبول عام انسان ٹونک میں نہیں بلکہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے ایک زمیندار خاندان گوگیاں میں ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوا۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ وہ آگے چلکر ہاڑوتی کے پٹھان کے باغ میں جسے آب بناس نے تین سمت سے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے بلبل بنکر چہکے گا۔ اور اس کی طرح دار کلاہ سفید ٹونک کی بستی میں مشاعروں کی محفل میں چندن مارکیٹ میں، پیٹرول پمپ پر سیٹھ چندن کے نام سے پہچانا جائیگا۔

ریاست ٹونک کے مشاہیر خاندان امیریہ میں بھی کافی ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے چوٹی پر سب سے افضل صاحبزادہ سر عبید اللہ خاں صاحب مرحوم تھے۔ جنہیں فیروز جنگ نائب الریاست کے نام سے اب تک بھی یاد کیا جاتا ہے۔

چنانچہ آپ نے ریاست کے ابتدائی دور میں جہاں دربار ہائی اسکول و سرکاری شفاخانہ و فیروز باغ کے کلب وایجنسی بنگلہ واقع پہاڑی ریڑواسہ کی عمدہ عمارتیں بنوائیں وہاں اپنے رہائشی محلات بھی دیدہ زیب تعمیر کرائے۔ اور وہ کوٹھیاں نائب صاحب کی حویلی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان دو میں سے ایک کوٹھی چندن صاحب بھارتی کی قسمت میں لکھی تھی کسی شاعر نے سچ کہا ہے ۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

ان شاندار حویلیوں کی تعمیر کے وقت جو فیروز جنگ کے اقبالی دور میں ہوئی اور جس کے لئے رنگ برنگے مکرانوی پتھر یعنی سنگ مرمر مارواڑ سے بڑے مصارف سے منگوائے گئے ہوں گے۔ اور سینکڑوں سنگ تراشوں استادوں معماروں اور مزدوروں کے ہاتھوں سے یہ حویلیاں تیار ہوئی ہونگی۔ اور جن میں نائب الریاست سر فیروز جنگ کبھی خود فروکش رہے اور پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادہ عبدالعلیم خاں اور صاحبزادہ امانت اللہ خاں صاحب قیام پذیر رہے اور پھر ان کے صاحبزادہ یعنی عبدالعلیم خاں صاحب کے صاحبزادہ محمد امیر خاں صاحب اے ڈی۔ سی ہز ہائینس و کپتان بارینٹ کرکٹ کلب قیام پذیر رہے۔

غرض وہ رشک مغلیہ محل تیسری و چوتھی پیڑی میں اسی شجاع آباد ضلع ملتان کے سپوت کی قسمت میں ودیعت کر دیا گیا۔ اور آج وہاں اندرونی حصہ میں وہ خود رہتے ہیں اور بیرونی حصہ میں جنرل پوسٹ آفس کا دفتر ہے۔ اور دوسری حویلی میں کھادی بھنڈار کا کارخانہ لگا ہوا ہے۔

غرض یہ بھی خوب ہوا کہ اقبال مندوں کی حویلی ایک اقبال مند ہی نے خریدی اور اسے فیض عام بھی بنایا۔ اسی لئے ان کی فہم و فراست و خدمتِ خلق کی تعریف کرنا پڑتی ہے۔

کہ نائب صاحب کے محلات میں جہاں پرندہ بھی پر نہ مارتا تھا وہاں آج ہر خاص و عام جاکر گورنمنٹ کے فیض سے مستفید ہوتے ہیں۔ پس چندن صاحب کی اس خوبی کی وجہ سے انہیں تجارتی دماغ سیٹھوں کے زمرہ سے نکال کر مشاہیر کی صف میں جگہ دینا قرین انصاف سمجھا گیا۔

اور بلحاظ ایک صاحب دیوان شاعر کے بھی آپ سرکاری مشاعروں کی شمع بنے رہے۔ اور اس شمع کے گرد دیگر شاعر پروانہ وار چمکتے رہے۔

سیٹھ آتم چند چندن :- ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۱۶ء کو تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پنجاب) کے ایک معزز خاندان گوگیا کے چودھری رامچندر جی کے یہاں پیدا ہوئے۔ پھر اسی قصبہ کے اسکول میں تعلیم پائی۔ اور جوان ہوتے ہی زمینداری کے کاموں میں اپنا ہاتھ بٹانے لگے۔ اور سنہ ۱۹۳۹ء میں آپ کے والد کے انتقال پر جاگیر کی ساری ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوگئی۔

مگر شاعری کا چسکا جو انہیں اپنے طالب علمی ہی سے لگ گیا تھا۔ وہ ساری عمر بڑھتا ہی گیا۔ اور آپ نے اپنا تخلص چندن حسب حال رکھا۔

چندن کو اردو میں صندل کہتے ہیں۔ اس کا درخت پنجاب یا سندھ میں نہیں لگتا ہے۔ ساحل مالابار بلند پہاڑیوں پر اگتا ہے۔ اس درخت کی لکڑی اپنی بھینی بھینی خوشبو کے سبب پسند اور مقدس مانی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا استعمال مقدس مقامات، مندروں، مقبروں اور دواخانوں میں کیا جاتا ہے۔ بقول کسی شاعر کے ؎

درد سر کے واسطے سنتے ہیں صندل ہے مفید
اس کا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے

غرض سیٹھ صاحب نے اس درخت کی لکڑی کے اوصاف کے پیش نظر

اپنا تخلص چندن رکھا۔

یہ لکڑی ویسے تو خوشبو دیتی ہے۔ مگر گھس کر اور پیس کر اور بھی زیادہ مہکتی ہے۔ اور دردِ سر کے لئے شفایاب ثابت ہوتی ہے۔ اور اسے پانی میں اونٹا کر پینے سے مصفی خون ہو جاتی ہے۔ اور جلانے پر کمرہ کو مہکا دیتی ہے۔ پس اس جیسے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے چندن صاحب خود ہی فرماتے ہیں ؎

میں کیسے نہ مہکوں محبت میں تیری
کرم سے مجھے تو نے چندن بنایا

غرض آپ کی ذات خود شاعر ہونے کے علاوہ شاعر نواز حامیان و قدر دانان اردو میں سے ہے۔

سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلابِ عظیم سے دوچار ہونے پر انہیں اپنا محبوب وطن چھوڑنا پڑا۔ اور پنجاب سے پہلے دہلی آئے۔ اور وہاں راجستھان کیوں اختیار کی اور کیسے ٹونک میں آبسے۔ یہ ایک جداگانہ عنوان ہے۔

غرض سنہ ۱۹۵۱ء میں ٹونک آکر پٹرول پمپ کی ایجنسی لی۔ اور موٹروں کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا۔ مگر حصول معاش کے ساتھ انہیں ٹونک والوں کی اردو دانی اور شاعری کا ذوق پسند آیا۔ اس لئے یہیں سے آپ کی شاعری نے بھی جلا پائی۔ اور کیوں کر شاعری کے کمال کے لئے آلام حالات سے بھی گذرنا ضروری ہے۔ اس لئے اسے بھی بہت کچھ سہہ کر اور اسکی پوری ٹریننگ لے کر ہی ٹونک آئے ہوں گے۔ اس لئے یہاں کی اطمینانی زندگی میں ان کی شاعرانہ طبیعت کا رنگ مثل حنا کے پس جانے کے بعد خوب ہی رچا۔ تب آپ نے اردو کا ایک ادبی ادارہ "بنام چندن" کے نام سے قائم کیا۔ اور جب وہ

حالات وقت کے لحاظ سے چل نہ سکا۔ تو پھر انجمن ترقی اردو کی خدمت شروع کر دی۔ اور اب تک بھی کرتے رہتے ہیں۔

میں نے چندن صاحب کی ٹونکی زندگی کا مطالعہ کبھی دور سے اور کبھی قریب سے کیا ہے۔ آپ میں ایک وہ وصف پایا جو دوسرے سیٹھوں میں نہیں دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ ہے آپ کی شخصیت کی جاذبیت۔ مزاج میں صفائی اور سادگی اور صاف گوئی بھی ہے۔ حسن اخلاق واجبی ہے۔ دیگر کسی طرح اپنی قصیدہ گوئی کو پسند نہیں کرتے۔ اور نہ اپنے گرد ہم مشرب احباب کو اکٹھا رکھتے۔

آپ کی زندگی منظم بہ عبادت و ریاضت ہے۔ اور اپنی حلال روزی کو پیٹرول پمپ کے پلانٹ سے جفاکشی کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ اور شاعری کی پرداز یں رات میں لیتے ہیں۔

عزیز الدولہ نواب محمد اسمٰعیل علی خاں کے مختصر دور میں اردو کے شعراء کی اتنی کثرت ہو گئی جو کبھی نہ تھی۔ اس لئے ان میں سے چند نامی شعراء کے اسماء تو لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کی شاعری میں خصوصیت کیا ہے یہ تو کوئی شاعر ہی لکھ سکتا ہے نواب مرحوم خود بھی اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ اور اپنا تخلص فتاح فرماتے تھے۔

اس وقت کے زندہ شعراء یہ ہیں۔ بسمل سعیدی صاحب، مخمور سعیدی صاحب ساحل صاحب، خندان صاحب، دل صاحب، بزمی صاحب، فاخر صاحب راشد صاحب، مراد صاحب۔

اس دور میں جو صاحبان اپنی تجارت یا ثروت میں نمایاں ہوئے وہ یہ ہیں۔

حاجی سیٹھ عید محمد صاحب، حاجی سلطان محمد صاحب عرف جمہ سیٹھ،

سیٹھ دھنالال جی بم پہلوان سیٹھ سجان مل جی داسوت، سیٹھ بہادر مل جی (بی کام) سیٹھ پیارے لال جی عرف ریشمین سیٹھ، اور سیٹھ پہلاد داس جی چکی شرنارتھی سندھی صاحبان میں سیٹھ کھٹن مل جی بیڑی والے نامور سیٹھوں میں ہیں۔

سیٹھوں کے زمرہ میں حاجی سیٹھ عید محمد صاحب اپنی مثال بس آپ ہی تھے۔ ٹونک کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ مالدار اور بافیض ہونے پر بھی انتہائی سادگی پسند انسان تھے۔ گھر پر موٹریں ہونے کے باوجود پرانے ٹونک سے اپنے کارخانے بیڑی تنظام فیکٹری تک ہمیشہ پیدل آتے تھے۔ اور چیرمین ٹونک میونسپلٹی ہونے پر بھی یہی سادگی تھی۔ راستہ میں ہر خاص و عام انہیں روک کر اطمینان سے اپنا مقصد عرض کر سکتا تھا۔ اور دوران گفتگو ایک شخص یا چند آدمی انہیں خواہ کچھ بھی کہدیں وہ کبھی ناراض اور غصہ نہیں ہوتے تھے۔ اور خاموش ہو کر اپنی رجواڑہ شاہی ہندی میں "باپڑان سمجھے کونے" کہنے ہی پر اکتفا کرتے تھے۔

غرض ٹونک کی مفید ترین فیض کے اس مقبول عام انسان کا انتقال بعمر ۷۵ سال، ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ہو گیا۔ جس کا غریبوں نے بہت افسوس کیا۔

27976
کتب خانہ

کائیستوں کی زرّیں خدمات

خدا کی قدرت ہے کہ اس ریاست کے قیام کے سلسلہ میں جہاں رائے
تارام صاحب وزیر ریاست، اور میر منشی لالہ نرنجن لال جی صاحب وکیل ریاست
جن کے ہاتھوں ریاست ٹونک کی بنیاد پڑی) کے نام آتے ہیں۔ وہاں اس کے
اختتام کا سہرا بھی ایک کائیست رائے بہادر ڈاکٹر رام بابو سکسینہ ایڈمنسٹریٹر
کے سر رکھا تھا۔

پھر ریاست کے مورخ بھی لالہ بادن جی تھے۔ جنہوں نے امیر نامہ فارسی
میں تصنیف کیا تھا (اس کا ترجمہ حکیم سید سعید میاں مرحوم نے کیا)

ان کے علاوہ محکمۂ مال، محکمۂ فنانشل، دفتر فوج و پولس میں کائیست
اہلکاروں کی قابلیت مسلمہ تھی۔ اور اسی لئے قدر کی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ ان کی
دو تین پیڑیوں تک چلا۔

مگر راجستھان بن جانے پر ان کی نئی نسلوں نے پہلی مرتبہ ٹونک سے باہر
کی برکتوں کو بسلسلۂ اپنے تبادلہ جات کے دیکھا۔ اور تب ہی سے باہر کہیں کہیں
بستے چلے گئے۔ ان کے سبھی خاندان یو۔پی سے آکر ٹونک میں بسے تھے۔ اور پھر
یو۔پی نہ گئے بلکہ راجستھان کے مختلف شہروں میں بس گئے اور معدودے
چند گھر اب بھی ٹونک شہر میں موجود ہیں۔

ادارہ کی تازہ اور اہم مطبوعات

ہسٹوریکل ہیریٹیج (انگریزی) عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک کے اہم مخطوطات کا بڑی ہی دلنشیں زبان میں مختصر تعارف۔

قیمت مجلد تیس ۳۰ روپیہ

قصر علم (ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر) (اُردو)

ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نادر مخطوطات، خاص طور پر عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اہم و منفرد مخطوطات پر منتخب مضامین کا مجموعہ دیدہ زیب کور ــــــــ قیمت مجلد چالیس ۴۰ روپیہ

کیٹلاگ آف عربک منسکرپٹس۔ جلد اوّل (انگریزی) عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک کے مخطوطات کی فہرست جو علوم قرآن و حدیث پر مشتمل ہے۔ جدول میں بہترین و خوشنما جلد

قیمت -/65

کیٹلاگ آف عربک منسکرپٹس۔ جلد دوم (انگریزی) (زیر طبع)

حضرت امیر خسروؒ اور ٹونک (اُردو) اس موضوع پر اچھوتا خیال۔ جس میں ٹونک کے علمی اور روحانی اداروں پر حضرت امیر خسروؒ کی شخصیت کے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ عمدہ کور صفحات ۱۰۴ قیمت مجلد 12/50

اسلامی ہند میں فن خطاطی

(امتیازات وخصوصیات)   (اُردو)

فنّ خطاطی پر، ایک اچھا، عمدہ اور دلنشیں مقالہ، جس میں فن خطاطی کی تاریخ اور اس کے ارتقا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۳۲   قیمت غیر مجلد -/5

خزینۃ المخطوطات (وضاحتی فہرست جلد اوّل) (اُردو)

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست جو علوم قرآنی پر مشتمل ہے۔ جس کا عرصہ سے انتظار تھا۔

صفحات ۳۷۲   قیمت مجلد -/63

خزینۃ المخطوطات (وضاحتی فہرست جلد دوم) (اردو)

(زیر طبع)

جرنل، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (اردو، فارسی ہندی اور انگریزی) ادارہ کا پہلا شمارہ جو مایۂ ناز محقق پروفیسر حافظ محمود شیرانی نمبر کی حیثیت سے ہے۔ جسمیں اس موضوع پر بہترین مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جو چار زبانوں اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی پر مشتمل ہے

صفحات ۳۲۳ . قیمت 42/25

کلامِ صائب جلد اول (فارسی) کلامِ صائب کا بہترین مجموعہ جو ادارہ کے مخطوطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شائع کیا گیا ہے جس میں صائب کا وہ کلام بھی ہے جو اب تک کہیں شائع نہیں ہوا۔ صفحات ۴۵۰

قیمت 64/-

ٹونک کی مہانتا کے دو مینار (ہندی) جس میں عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور سنہری کوٹھی کے بارے میں معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

قیمت 5/-

تاریخ ٹونک (اردو) ٹونک کی سیاسی اور علمی تاریخ پر مربوط و مبسوط کتاب ہے۔

قیمت

جرنل، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جلد ۲

(اردو، عربی، ہندی اور انگریزی)

جس میں ادارہ میں ہوئے آل انڈیا سیمینار کے کچھ مقالات، چند اچھوتے مضامین اور ادارہ میں ہو رہے ترجمہ و تدوین کے کاموں پر روشنی ڈالی گئی ہے

قیمت۔

55/-
10

ملنے کا پتہ

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان

ٹونک